اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
MAY 2022
مفت سلسلہ اشاعت نمبر 335
Regd. # MC-1177

طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ

مصنف و محقق

مفتی مہتاب احمد نعیمی حفظہ اللہ تعالیٰ

تصدیق، تقدیم و نظرِ ثانی

شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

(رئیس دار الحدیث و دار الافتاء بجامعۃ النور)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

Ph : 021-32439799 Website : www.ishaateislam.net

طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

مصنف و مُحقّق

مفتی مہتاب احمد نعیمی حفظہ اللہ تعالی

تصدیق، تقدیم و نظرِ ثانی

شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی حفظہ اللہ تعالی

[رئیس دارالحدیث و رئیس دارالافتاء جامعۃ النور]

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنت، پاکستان

نور مسجد، کاغذی بازار، کراچی

کتاب	:	طبقاتِ فقہااور امام احمد رضا
مصنف	:	مفتی مہتاب احمد نعیمی حفظہ اللہ
تقدیم	:	شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی
اشاعت	:	شوال المکرم ۱۴۴۳ھ / مئی ۲۰۲۲ء
اشاعت نمبر	:	335
تعداد	:	4500
ناشر	:	جمعیت اشاعت اہلسنّت، کراچی، پاکستان
		نور مسجد، کاغذی بازار میٹھادر، کراچی،
		فون:021-32439799
خوشخبری	:	یہ رسالہ www.ishaateislam.net پر موجود ہے

فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	6
2	الإهداء	8
3	تقریظ جلیل...... مفتی محمد احمد نعیمی حفظہ اللہ	9
4	تقریظ جلیل...... علامہ عبد الواحد حنفی حفظہ اللہ	11
5	تقریظ جلیل...... مفتی محمد جنید عطاری مدنی حفظہ اللہ	15
6	تقریظ جلیل...... مفتی محمد احسن نوید نیازی حفظہ اللہ	19
7	تقریظ جلیل...... علامہ احمد رضا شامی حفظہ اللہ	24
8	تقریظ جلیل...... علامہ محمد آصف اقبال مدنی حفظہ اللہ	29
9	تقریظ جلیل...... مفتی سیّد احمد علی شاہ ترمذی حفظہ اللہ	34
10	تقریظ جلیل...... مفتی محمد عبد السلام قادری حفظہ اللہ	36
11	تقریظ جلیل...... مفتی عبد الرحمن قادری حفظہ اللہ	39
12	تقدیم...... شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی حفظہ اللہ	42
13	کتاب کا آغاز	46
14	فقہ کا لغوی معنی	46
15	(ا) رضوی ضابطہ	48
16	عُرف کی تمام صورتوں کو سمیٹنے والا جامع ترین ضابطہ	48

17	(۲) رضوی ضابطہ	52
18	ماءِ مطلق اور ماءِ مقید کے تمام جزئیات کو ایک لڑی میں پرونے والا ضابطہ	52
19	ششم ضابطہ رضویہ	53
20	فاقول: وباللہ التوفیق	53
21	(۳) رضوی ضابطہ	57
22	خلاصہ کلامِ امام	60
23	اقول: وباللہ التوفیق	61
24	طبقاتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بابت تبصرہ	62
25	مجتہدین فی الشرع	62
26	مجتہدین فی المذاہب	62
27	مجتہدین فی المسائل	62
28	اصحاب تخریج	63
29	اصحابِ ترجیح	63
30	ممیزین	63
31	محض مقلّدین	64
32	اوّلاً سابقہ محققین کی تحقیقات کو بیان فرمایا	65
33	ثانیاً سابقہ ہر تحقیق پر نقد و اعتراض وارد فرمایا	66

34	تقسیم مشہور پر پہلا اعتراض	66
35	تقسیم مشہور پر دوسرا اعتراض	66
36	مُسلم الثبوت کی عبارت پر دو اعتراضات	66
37	مُلّا خُسرو اور صاحب توضیح علیہما الرحمہ پر کلام	66
38	صاحب شمش الفتاوی کی تحقیق پر نظر	66
39	ان تینوں پر ایک اور اعتراض	66
40	امام اہلسنّت اور مُحقّق علی الاطلاق	90
41	اقول: وباللہ التوفیق	90
42	شرح کلام امام	94

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

پیش لفظ

افقہِ اُمت امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ ملّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ ربّ العزت ایک نادر روزگار عالم دین تھے۔ قدرت کی فیاضی سے انہیں علمِ فقہ میں جو مقام و مرتبہ اور کمال ودیعت ہوا تھا بہت کم علما کو حاصل ہوا ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ ان کے معاصرین میں ان کا کوئی سہیم و نظیر نہ تھا۔ امام احمد رضا خان کے ایک مخالف مؤلّفِ نزھۃ الخواطر نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ سے کیا ہے: "علم فقہ میں کمال مہارت اور معلومات میں ان کے دور میں ان کی نظیر نادر ہے"۔ (نزھۃ الخواطر، 6/41)

امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ کا فقہ میں اس قدر بلند مقام و مرتبہ ہونے کی وجہ سے ہی آج تک آپ کے فقہی کارناموں پر مختلف تحقیقی کام ہو رہے ہیں حالانکہ آپ کے وصال مبارک کو ایک صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ: "طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں افقہِ اُمت امام احمد رضا خان کو "مجتہد فی المسائل" ثابت کیا گیا ہے، جسے ہمارے ادارے کے شعبۂ دارالافتاء کے مفتی، محترم المقام مفتی مہتاب احمد نعیمی صاحب زید علمہ نے تصنیف فرمایا اور رئیس دار الافتاء بجامعۃ النور شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب نے اس پر تقدیم لکھی ہے اور موصوف نے اپنے موضوعِ کو دلائل و براہین کے ساتھ اس طرح تحقیقی انداز سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے والے کے سامنے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو جائے گی کہ امام اہلِ سنّت "مجتہد فی المسائل" ہی ہیں۔

جمعیت اشاعتِ اہلسنّت نے علمی میدان میں کافی خدمات انجام دی ہیں اور کئی علمی تحریری کام کئے ہیں ان میں سے ایک کاوش یہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اور ادارہ اسے اپنی اشاعت نمبر ۳۴۵ پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ہمارے آقا ﷺ کے طفیل مصنف اور جملہ معاونین واشاعت کاران کی سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کی دینی و علمی خدمات میں روزافزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

محمد مختار اشرفی

(مہتمم جامعۃ النور)

(جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان) کراچی)

الإهداء

إلى سيدي الوالد وأمي العزيزة رحمهما الله كما ربياني صغيراً وأسكنهما فسيح جناته، وإلى إخوتي وأخواني وجميع أساتذتي. أطال الله عمرهمـ أهدي هذا السعي المتواضع.

وأتقدم بخالص شكرى وتقديرى إلى كل من ساعدنى فى هذا البحث ولو بكلمة وأخص بالذكر فضيلة الأستاذ شيخ الحديث المفتي محمد أحمد النعيمي النقشبندي وجامع المعقول والمنقول العلامة ابن داؤد عبدالواحد الحنفي والمفتي محمد جنيد العطاري النعيمي وشيخ الحديث المفتي محمد أحسن نويد النيازي وشيخ الحديث والتفسير العلامة أحمد رضا الشامي والداعية الكبير العلامة محمد آصف اقبال المدني وشيخ الحديث المفتي السيّد أحمد على الشاه الترمذي وشيخ الحديث المفتى محمد عبد السّلام القادري الرضوي والمفتي عبد الرحمن القادري حفظهم الله وأطال الله عمرهمـ والجدير بالذكر أن شيخي عمدة الفقهاء شيخ الحديث والإفتاء المفتى محمد عطاء الله النعيمى شجّعني على كتابة هذا البحث وقد استفدت كثيرا من علمه وتوجيهاته وأخلاقه الحسنة وهو الذي أقامني على إصدار الفتوى وبفضله انخرطت في سلك المفتيين ولست أهلا لذلك فأشكره شكراً جزيلاً من أعماق قلبي حفظه الله ورعاه وأمد في عمره لخدمة دينه، فأسأل الله أن يجزيه خير الجزاء، ويرفع قدره ﴿مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين﴾، وأسأل الله للجميع الأجر والمثوبة في الدارين، كما أسأله سبحانه أن يوفقنا جميعاً للعلم النافع والعمل الصالح۔

طالب الدعاء: مہتاب أحمد النعيمي

خادم دار الإفتاء بجامعة النّور

مدرس جامعة المدينة فيضان عبد الله الشاه الغازي رحمه الله

تقریظِ جلیل

از سرخیلِ عارفاں، پیرِ طریقت، رہبر شریعت، استاذ العلماء، فقیہ العصر، شیخ الحدیث، **مفتی محمد احمد نعیمی نقشبندی مجدّدی**

معصومی قادری دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم وشیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم انواریہ مجدّدیہ نعیمیہ، کھوکھراپار، ملیر، کراچی

سجادہ نشین درگاہ عالیہ کوڈار یو شریف، ضلع سجاول، سندھ واستاذ شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصلیا و مسلما

الحمدللہ علیٰ منہ وکرمہ

شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ کے تلمیذ دارالافتاء جامعۃ النّور کے ایک مفتی، مفتی مہتاب احمد رضوی نعیمی زید علّمہ نے جو یہ رسالہ مبارکہ بنام "طبقاتِ فقہاء وامام احمد رضا" تحریر فرمایا ہے۔ امامِ اہلسنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے علمی اور فقہی مقام کو مثالوں کے ذریعے متعیّن کرنے کی اَحسن طریقے سے سعی فرمائی ہے۔

جن علماءِ حنفیہ نے امامِ اہلسنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو طبقاتِ فقہاء میں تیسرے طبقہ (مجتہدین فی المسائل) میں شمار کیا ہے وہ جیّد علماء اس میں حق بجانب ہیں کیونکہ امام اہلسنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ جلیلہ کے مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ بلاشک وشبہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طبقاتِ فقہاء کے تیسرے طبقہ (مجتہدین فی المسائل) میں سے ہیں، یعنی وہ فقہاءِ کرام جو اُصول اور فُروع میں اپنے امام کے مقلّد ہیں اور امام مذہب کے غیر منصوص مسائل کے اِستنباط کرنے کی قدرت اور استعداد رکھتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان فقہاء میں سے ایک ہیں۔ "ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ"

زیر نظر رسالہ کے موٴلّف ہمارے تلمیذ اجل شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی نقشبندی مُجدّدی زید علمہ کے تلمیذ مفتی مہتاب احمد نعیمی ہیں اطال اللہ عمرہ جو نام کی

مثل باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ متحرک نوجوان ہیں۔ انہوں نے ایسے عظیم کام کے لئے قلم اُٹھایا ہے جس پر قلم اُٹھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے اور انہوں نے اس کارِ عظیم کے لئے درست قلم اُٹھایا ہے۔

الحمدللہ بانیٔ جمعیت اشاعتِ اہلسنّت (پاکستان) حضرت علامہ عرفان ضیائی مدظلہ کی سربراہی اور شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ کی معیت میں ادارہ دین متین کی ترویج واشاعت کے لئے بیک وقت کئی شعبوں میں کام کررہا ہے۔ جیسے حفظ وناظرہ، مرد وخواتین کے لئے درسِ نظامی، دورۂ حدیث شریف کے لئے اہتمام، تخصص فی الفقہ، تربیتِ افتاء، عوام وخواص کے مسائل کے حل کے لئے دارالافتاء، تحقیق وتخریج، ایک تسلسل کے ساتھ ماہانہ اشاعت وغیرہا۔ یہ ایسے کام ہیں جو اس زمانے میں کوئی ایک ادارہ کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ ادارے سے بہت سے جیّد علماء نکلے ہیں جو مختلف جگہوں پر تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور خصوصاً افتاء کے شعبے میں ادارے کا کام قابلِ تحسین ہے۔ اب تک کئی موضوعات پر تحقیقی فتاویٰ لکھے گئے ہیں اور اس تربیت گاہ سے کئی مستند و محنتی مفتیانِ کرام نکلے ہیں اور ایک بڑی تعداد ابھی تربیت حاصل کررہی ہے۔ یہاں سے افتاء کی تربیت پانے والوں میں سے ایک مفتی مہتاب احمد نعیمی زید علمہ بھی ہیں۔

فقیر پُر تقصیر کی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے قلم میں اور زور عطا فرمائے اور دینی اُمور میں سرانجام دینے کی مزید قوت اور ہمت عطا فرمائے اور اس کام میں ان کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

عبدہٗ محمد احمد نعیمی

۱۲ مئی ۲۰۲۲ء

تقریظِ جلیل

از مصنف و محشی و شارحِ کُتبِ کثیرہ، امام النحو والبلاغت، مدرّس، اصولی، صوفی، عالم عامل و کامل حضرت جامع المعقول و المنقول **علامہ ابن داؤد عبد الواحد حنفی** العطاری دامت فیوضہم العالیہ

(صدر مدرّس: جامعۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله ربّ العالمين الذی من يُرِد به خيراً يفقّهه فی الدّين والصّلاة و السّلام على سيّد الأنبياء والمرسلين الذی جعل الاجتهادَ حجةً من حُجج الدّين وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلماء أمّته وفقهاء ملّته من الأوّلين والآخرين.

وہ فقاہت کا کوہِ فلک بوس جس پر فقیہُ النّفس نہایت موزوں آتا ہے، وہ صاحبِ تحقیقاتِ فقہیہ رائقہ فائقہ رائعہ انیقہ جس پر محقق علی الاطلاق کا اطلاق صد فی صد جچتا ہے، وہ کلیات و جزئیات کا بحر بیکراں جس پر خاتمۃ الفقہاء مکمل سجتا ہے، وہ امام اہلِ سنت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بدعت، پروانۂ شمعِ رسالت، خلعت پوشِ ولایت، مجدّدِ ملّت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان برکاتی قادری حنفی ماتریدی رحمه الله الهادی و أمطر عليه شآبيب رضوانه وأسكنه بحبوحة جنانه و أفاض علينا من بركاته جویوں تو کثیر علوم و فنون میں ید طولی، کامل دسترس اور مہارتِ تامّہ رکھتے ہیں مگر آپ کی جولان گاہِ خاص میدانِ فقہ ہے بمعناه العام الشامل للكلام و الفقه المصطلح و التصوف، اس باب میں آپ کی تقریراتِ عالیہ وسیعہ، تحقیقاتِ غالیہ بدیعہ اور تدقیقاتِ غامضہ منیعہ کو دیکھ کر اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کو امام اعظم ثانی مانتے اور صاحبانِ "فتح" و "ردّ" جیسے بطل و قرم فن کو آپ کے شاگرد قرار دیتے نظر آتے ہیں. و الفضل ما شهدت به الأعداء.

اعلیٰ حضرت کے تعلّق سے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ فتاوٰی رضویہ شریف قدیم کی دس مجلّدات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک عرصہ تک دیگر کُتُب بالخصوص فتاواجات کی ورق گردانی میں وہ لطف و سرور نہ پا سکا جس کا میں عادی ہو چکا تھا اور اس کی وجہ میں نے یہ پائی کہ الفاظ کا حُسنِ انتخاب، ترتیب، کلمات کی جودت، عبارت کی روانی و سلاست، اُسلوب کی جدّت و بداعت، بیان کی فصاحت و بلاغت، کلام کی مزیّت و فضیلت، معانی کی گہرائی و وسعت، مفاہیم کی جامعیّت و مانعیّت اور سب سے بڑھ کر ضمیر کا وہ بے ساختہ پکار اُٹھنا کہ حق یہی ہے، یہ چیزیں جس شان و شوکت کے ساتھ کلامِ رضا میں باصرہ نواز ہوئیں، کلامِ لاحقین میں نظر نہ آئیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء وهو ذو الفضل العظيم.

رہا اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام و مرتبہ تو اس سلسلے میں سچی بات تو یہ کہ واقعی بقولِ عطائے ملت حضرت مفتی عطاء اللہ نعیمی أدام ظلّه مُنعِمی: "آپ کا فقہی تبحّر اور اجتہادی صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد آپ کی ذات پر مجتہد فی المذہب ہونے کا گمان ہوتا ہے" اور فقیہِ مکّہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً سیّد اسماعیل بن سیّد خلیل رحمہما اللہ الجلیل کے قول: "والله أقول و الحق أقول: إنّه لو رآها أبو حنيفة رضي الله عنه لأقرت عينه و لجعل مؤلفه من جملة الأصحاب" میں بھی اسی طرف لطیف اشارہ موجود ہے۔

مگر چونکہ ہمارے علم میں نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت نے امام اعظم کے کسی منصوص علیہ مسئلے میں اپنے دلائل سے اختلاف کیا ہو بلکہ مسئلہ نجاستِ منی کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس کی نجاست پر کوئی دلیل فقیر کی نظر سے نہیں گزری مگر قول وہی قولِ امام ہے، لہٰذا آپ کے لیے دعوائے اجتہاد فی المذہب مشکل ہے اگرچہ یہ ممکن

ہے کہ اس مسئلے میں آپ کے اجتہاد نہ فرمانے کا سبب عدمِ احتیاج اِلی الاجتہاد ہو یا اس کی وجہ آپ کا کمال احتیاط فی الدّین ہو: اس لیے کہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس کی بنا عدمِ صلاحیتِ اجتہاد فی المذہب پر ہو۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصّواب.

البتہ میرے نزدیک وہ ضرور حق ہے جو شرفِ ملت حضرت علّامہ عبدالحکیم شرف قادری شرفہ بإکرامہ الباری فرما گئے ہیں کہ: "امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ جلیلہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے (مجتہدین فی المسائل) میں شامل ہیں۔" اور وہ جو مفتی عبدالسّلام قادری رضوی اَدام ظلہ القوی فرما رہے ہیں کہ " آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر تصانیف مبارکہ بالخصوص فتاوٰی رضویہ، جدّ الممتاد اور دیگر تحقیقاتِ نادرہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت میں نہ صرف مجتہد فی المسائل کی تمام شرائط وصفات موجود ہیں بلکہ آپ کی تحقیقات، اس طبقے کے دیگر فقہاے کرام رحمھم اللہ السّلام کی تحقیقات سے بڑھ کر ہیں۔"

فاضل نوجوان مہتابِ ملت حضرت مفتی مہتاب احمد نعیمی مدرّسِ جامعۃ المدینہ فیضانِ عبداللہ شاہ غازی، مفتیٔ دارالافتاء جامعۃ النور حفظ اللہ تعالیٰ عن الشُّرور نے اپنے رسالہ ھذا: "طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا" میں اس پر جو دلائل و شواہد اور مؤیّدات پیش فرمائے ہیں، وہ اس حقیقت کو جاننے اور ماننے کے لیے کافی ووافی ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن بلاشبہ درجۂ اجتہاد فی المسائل پر فائز ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ مقام حاصل نہ ہوتا تو ہرگز بابِ اجتہاد فی المسائل میں لب کشائی نہ فرماتے بلکہ سکوت سے کام لیتے، جس طرح آپ نے بابِ اجتہاد فی المذہب میں کفِّ لسان کیا۔

ربِّ کریم مؤلّفِ رسالہ ھذا کی سعی کو مشکور فرمائے، ان کے جان، مال، عزّت آبرو، آل واولاد اور علم وعمل میں برکتیں اور وسعتیں عطا فرمائے اور اسی طرح انہیں دینِ متین اور اسلام اور مسلمین کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

العبد الضعیف المفتقر الی رحمۃ ربہ المقتدر

ابن داؤد عبد الواحد العطاری عفی عنہ الباری

15 رمضان المبارک 1443ھ، 17 اپریل 2022ء بروز اتوار

تقریظِ جلیل

از عالم نبیل، فاضل جلیل حضرت **علامہ مفتی محمد جنید** عطاری مدنی حفظہ اللہ تعالی

(مفتی دار الافتاء، بجامعۃ النور)

قرآنِ پاک میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: ۳۹/ ۹)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

مذکورہ آیت میں اس بات کا کُھلا اعلان ہے کہ علم والے افضل ہیں اِن لوگوں سے جو علم والے نہیں ہیں۔ پھر علم والوں میں طبقات ہیں۔ کچھ کم علم والے ہیں اور کچھ زیادہ اور کچھ بہت زیادہ علم والے ہیں تو زیادتیٔ علم فضیلت کا معیار ٹھہرا، یعنی جتنا زیادہ علم اتنی فضیلت زیادہ۔

اسی علمی معیار و مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ علماء نے علم والوں کو درجِ ذیل طبقات میں تقسیم کرکے درجہ بندی فرمائی۔

(۱) مجتہد مُطلق (۲) مجتہد فی المذاہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب تخریج (۵) اصحابِ ترجیح (۶) اصحابِ ترجیح (۷) اصحابِ تمیز۔

۱۔ **مجتہد مطلق**: پہلا طبق مجتہدین مُطلق کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اُصول و قواعد مقرر فرماتے ہیں اور اَحکامِ فرعیہ کو اُصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اُصول و فروع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے مثلاً ائمہ اربعہ امامِ اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ عنہم۔

۲۔ **مجتہد فی المذاہب:** دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذاہب کا ہے جسے امام ابویوسف، امام محمد اور امامِ اعظم کے دوسرے تلامذہ جو اپنے اُستاد کے مقرر کردہ اُصول وضوابط کی روشنی میں ائمہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔

۳۔ **مجتہد فی المسائل:** تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے۔ جزئیات میں امامِ اعظم اور ان کے تلامذہ میں سے کوئی روایت منقول نہیں۔ یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں مثلاً امام خصاف، طحاوی، کرخی وغیرہم۔ یہ حضرات امامِ اعظم کے تجویز کردہ اُصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھ کر ان جزئیات کو احکامِ مستنبط کرسکتے ہیں جس کے بارے میں امامِ اعظم سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

۴۔ **اصحابِ تخریج:** چوتھا طبقہ اصحابِ تخریج کا ہے مثلاً امام ابوبکر جصّاص رازی اور ان کے ہم مرتبہ، ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی مگر یہ حضرات چونکہ اُصول کو اچھی طرح محفوظ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان اُصول کے ماخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے صاحبِ مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذُووجہین ہوتا ہے یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اُصول کو پیشِ نظر رکھ کر اور نظائر وامثال پر قیاس کرکے تفصیل وتعیین کرسکتے ہیں۔

۵۔ **اصحابِ ترجیح:** پانچواں طبقہ اصحابِ ترجیح کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی جیسے ابوالحسن قدوری، صاحبِ ہدایہ اور انہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہاء کا کام مختلف روایتوں میں سے

کسی ایک کو ترجیح دینا ہے اورالفاظ یہ ہوتے ہیں: (۱)إن هذا أولیٰ (۲)هذا أوضح(۳) هذاأصح الرواية،وغیرہ۔

۶۔**اصحابِ تمیز:** چھٹاطبقہ اصحابِ تمیز کاہے۔یہ ممیزین بھی کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات بھی مُقلّد ہوتے ہیں لیکن اقویٰ، قوی اور ضعیف کے درمیان میں امتیاز کرسکتے ہیں نیز ظاہر الروایت، ظاہر مذہب اور روایتِ نادرہ کے درمیان میں فرق کرسکتے ہیں مثلاً متون معتبرہ، کنز، مختار، وقایہ اور مجمع کے مصنّفین۔

۷۔**مقلد محض:** ساتواں طبقہ ان فقہاء کاہے جو مقلد محض ہوتے ہیں اور جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کرسکتے۔

زیر نظر مقالہ جسے ہمارے دارالافتاء جامعۃ النّور(جمعیت اشاعتِ اہلسنّت پاکستان، کراچی) کے مفتی مہتاب احمد نعیمی زید علمہ نے تحریر فرمایاجو کہ جامعۃ المدینہ (فیضانِ مدینہ) کے مدرس بھی ہیں اور کئی سالوں سے ہمارے دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمت میں مصروف ہیں۔ موصوف جب یہاں تدریب کی غرض سے آئے تھے تواس وقت کی بات کچھ اور تھی۔ پھر استادِ محترم قبلہ شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کی صحبت میں رہ کر رنگ نکھر تاگیااور جب استادِ محترم نے انہیں اس موضوع "طبقاتِ فقہاء میں امام احمد رضاکا مقام" پر قلم اُٹھانے کا حکم فرمایاتوانہوں نے ایک مقالہ تحریر فرمایا۔

اوراس مقالے میں موصوف نے امام احمد رضا حنفی بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ کو فقہاء کے تیسرے طبقہ یعنی "مجتہد فی المسائل" شمار فرماکر مثالوں سے بھی واضح فرمایا۔

مجھے تو استادِ محترم مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید مجدہ کی یہ بات بھی درست معلوم ہوتی ہے: "امام اہلسنّت علیہ الرحمۃ کی شخصیت اپنی فقاہت کے اعتبار سے الگ ہی مقام رکھتی ہے، ان کی فقاہت پر غور کیا جائے اور فقہی تبحر کو دیکھا جائے تو فیصلہ کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ فقہاء کرام کے کون سے طبقے میں آپ کا شمار کیا جانا چاہیے۔ ان کی اجتہادی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے آپ کی ذات پر "مجتہد فی المذہب" ہونے کا گمان ہوتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے استادِ محترم کا سایہ ہم پر دراز فرمائے جن کے دم قدم سے سب رونقیں ہیں اور ہمارے ادارے جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان، کراچی کو خوب ترقیاں و عروج عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد جنید العطاری النعیمی

تقریظِ جلیل

از فقیہِ عصر، عالم، عامل، کامل، مدرّس، متکلم، محدّث، محقق، حافظِ کلامِ اعلیٰ حضرت، صاحبِ مطالعہ شخصیت، پیرِ طریقت رہبرِ شریعت شیخ الحدیث والافتا **مفتی محمد احسن نوید نیازی** صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

(شیخ الحدیث: رہبر اسلامک فاؤنڈیشن، رئیس دار الافتا: الفیضان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ فی الارض والسماء، والصلوة والسلام علی أکرم الکرماء، وعلی آلہ وصحبہ والأئمۃ والعلماء.

پیکرِ علم وحکمت، امامِ عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعدِ ملاحظۂ اُصولِ مقررہ وضوابطِ محررہ ووجوہِ تکلم وطرقِ تفاہم وتنقیحِ مناط ولحاظِ انضباط ومواضعِ یُسر واحتیاط وتجنبِ تفریط وافراط وفرقِ روایاتِ ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیاتِ غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقولِ بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزنِ الفاظِ مفتیین وسَبرِ مراتبِ ناقلین وعُرفِ عام وخاص وعاداتِ بلاد واشخاص وحالِ زمان ومکان واحوالِ رعایا وسلطان وحفظِ مصالحِ دین ودفعِ مفاسدِ مُفسدین وعلمِ وجوہِ تجریح واسبابِ ترجیح ومناہجِ توفیق ومدارکِ تطبیق ومسالکِ تخصیص ومناسکِ تقیید ومشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وجمعِ کلام ونقدِ مرام، فہمِ مراد کا نام ہے کہ تطلعِ تام واطلاعِ عام ونظرِ دقیق وفکرِ عمیق وطولِ خدمتِ علم وممارستِ فن وتیقظِ وافی وذہنِ صافی معتادِ تحقیق مؤیّد بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزّ وجلّ بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے:

﴿وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ [سورۃ حٰمٓ السجدہ: 35/41]

(اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا)

صدہامسائل میں اضطرابِ شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحبِ توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامنِ ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہِ تنقیح لیتا ہے، توفیقِ ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے۔ اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال کہ سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے۔ الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔ وللہ الحمد تحدیثا بنعمة الله وما توفیقی الا بالله، وصلی الله تعالٰی علی من امدنا بعلمه وایدنا بنعمه وعلٰی اٰله وصحبه وبارك وسلم اٰمین والحمد لله رب العالمین. (فتاوی رضویہ،ج:16،ص:377-376،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

فقہ کی مذکورۂ بالاتوضیح کی روشنی میں فتاوی رضویہ اور جد الممتار سمیت اعلیٰ حضرت کی دیگر کُتب وحواشی کو ملاحظہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا رحمہ اللہ ایک عبقری اور فقید المثال فقیہ تھے۔ اور آپ کا مجموعۂ فتاوی: "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" توبحر فقہ کے غواص کے لیے آکسیجن کا کام دیتا ہے۔

علامہ ابنِ کمال پاشارومی رحمہ اللہ (وفات 940ھ) نے طبقاتِ فقہا کی جو تقسیم (Classification) کی ہے، بعض محققین کے مضبوط اور مدلّل اختلاف سے قطعِ نظر، مجموعی طور پر کثیر علما کے یہاں مقبول ہے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا خان

رحمہ اللہ اس تقسیم کے اعتبار سے فقہاے کرام کے کون سے طبقے میں شامل ہیں؟ اس بارے میں خود اعلی حضرت یا ان کے معاصر کسی فقیہ سے کوئی تصریح منقول نہیں بلکہ اس باب میں ان کے معتمد و مستند تلامذہ و خلفا کا صریح کلام بھی ہمیں دست یاب نہیں ۔شاید اس کی وجہ عدمِ ضرورت ہو۔ماضی قریب میں جب اِس سوال نے سر اٹھایا تو دو(۲) مستند عالموں کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ان میں سے ایک شرفِ ملت شیخ الحدیث علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمہ اللہ اور دوسرے سعیدِ ملت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ دلائل و شواہد کی روشنی میں اس نتیجے تک پہنچے کہ اعلی حضرت رحمہ اللہ مجتہد فی المسائل کے زمرے میں شمار ہوں گے۔ مؤخر الذکر نے تو اس پر "فاضل بریلوی کا فقہی مقام" کے نام سے با قاعدہ ایک مقالہ تحریر فرمایا ہے جو آج بھی ان کے مجموعۂ مقالات بنام "مقالاتِ سعیدی" میں شامل ہے۔اس مقالے میں اعلی حضرت کے مجتہد فی المسائل ہونے پر دلائل و شواہد ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:"جن امور کو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے اس(کذا) سے واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت میں اصولیین، فقہا اور متصوفین تینوں کی تعریفات کے اعتبار سے فقہ کی معنویت پائی جاتی ہے۔ طبقاتِ فقہا کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا موازنہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ قواعدِ شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقۂ اولیٰ یعنی ائمۂ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعدِ امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف اور طحاوی کی طرح طبقۂ ثالثہ میں قدمِ راسخ رکھتے ہیں۔روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب طبقۂ رابعہ اور خامسہ کے فقہاسے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں فقہاے سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل نہ متفرع کیے ہوں۔ جو امور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے انھیں انتہائی

لطافت کے ساتھ واضح کرکے دلائل وبراہین سے مزین کیا۔ معاصرین فقہا کی غلطیوں پر انھیں ان گنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔ فقہی مباحثہ میں جو طبعی وریاضی کے مسائل آگئے تو ان پر ایسے اچھوتے انداز میں بحث کی ہے کہ فارابی اور شیخ (بوعلی سینا) بھی دبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کی نظر سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فقہ میں وہ مقام حاصل کیا ہے جس کی نظیر صدیوں پیچھے نہیں ملتی"۔ (مقالاتِ سعیدی، ص590، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اسی طرح شرفِ ملت کے صاحب زادے مولانا محمد مشتاق احمد ازہری صاحب نے جامعہ ازہر مصر سے ماجستیر (ایم-اے) کی تکمیل کے لیے جو عربی مقالہ تحریر فرمایا، اس میں بھی اعلیٰ حضرت کے مجتہد فی المسائل ہونے کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ: "طبقاتِ فقہااور امام احمد رضا" بھی اسی موضوع پر ہے۔ اس رسالے میں فاضل مؤلف نے شرفِ ملت اور سعیدِ ملت ہی کے موقف کو مزید دلائل کے ساتھ مؤید و مؤکد کیاہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ مجتہد فی المسائل تھے۔ رسالے میں جو آٹھ مثالیں پیش کی گئی ہیں، ان میں حصر نہیں بلکہ امام احمد رضا رحمہ اللہ کے استنباطی واستخراجی مسائل کا استیعاب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اِس وقت بھی ناچیز راقم الحروف کی نظر قاصر میں کئی امثلہ ہیں جن کی تفصیل کا یہاں محل نہیں۔

اس عظیم مقام پر فائز ہونے کے باجود اعلیٰ حضرت تواضع وانکسار کا پیکر تھے۔ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کے نام اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں: "رہی دماغی قابلیت، اس کا نہ کبھی میں نے دعوی کیا، نہ اب مدعی ہوں۔ میں تو بفضلہ تعالیٰ اپنی اور تمام جہان کی حول وقوت سے بری ہوں۔ صرف اپنے رب عزوجل کے حول وقوت سے ملتجی ہوں۔ میں نہ کچھ کرتا ہوں، نہ کچھ کرنے کے قابل ہوں۔ ہاں! اس کا کرم، اس کی

رحمتیں، اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نعمتیں، وہ اس ضعیف، عاجز، بے قدر سے بڑے سے بڑے کام لے لیتے ہیں جو اونچی اونچی چوٹی کے علامۃ الدھر بننے والوں کو دنگ کردیتے ہیں۔وللہ المنة والنعمةالوافرةوله الحمد فی الأولی و الآخرۃ"۔(مکتوباتِ امام احمد رضاخان بریلوی مع تنقیدات و تعقبات، ص:270، مکتبہ نبویہ، لاہور)

اسی مکتوب میں تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں:اب اس فقیر حقیر کا فتاوی ملاحظہ کیجئے۔الحمدللہ الحمدللہ کتنے کثیر ووافر مسائل پایئے گا کہ مضطرب تھے اور میرے مولیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے منقّح فرمادیے، کتنے جلیل وجزیل مباحث دیکھیے گا کہ پردۂ خفاواشکال میں تھے اور میرے مُنعِم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے میرے قلم سے مشرّح فرمادیے۔والحمد لربه الذی أرسله رحمة وبعثه نعمة والصلاة والسلام علیه وعلی اٰله وصحبه عدد کل کلمة والحمد لله رب العالمین"۔(ایضا،ص:272)

زیرِ نظر رسالے کے مؤلف ہمارے تلمیذِ اَجل، قرۃ عینی، مفتی مہتاب احمد نعیمی جعلہ اللہ کاسمہ ایک باصلاحیت اور متحرک نوجوان ہیں۔خدمتِ دین کے سلسلے میں ان سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں ہر دم ان کے ساتھ ہیں۔اللہ تبارک وتعالی عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مزید توفیقاتِ خیر سے نوازے۔

ایں دعااز من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر العبید احسن نوید نیازی کان اللہ لہ

۵ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق 7 مئی 2022ء

تقریظِ جلیل

از مصنفِ کُتبِ کثیرہ، محشی تفسیر بیضاوی، مدرّس، مقرر، اصولی، شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت **علامہ احمد رضا شامی** حفظہ اللہ الشامی (صدر مدرّس: جامعۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین الصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

بلاشبہ آسمان پر چمکتے دمکتے آفتاب و مہتاب ودیگر اجرام فلکی کے بارے میں لب کشائی، سمندر کی گہرائی اور اس میں موجود خزانوں تک رسائی اور فلک بوس پہاڑوں کی اونچائی کی پیمائش کو ضبط میں لانے کی مساعی کے لیے ان امور کے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے، زمین پر پڑا انسان کیسے آسمان پر چمکتے دمکتے اجسام، سمندر کی تہہ میں بکھرے لؤلؤ و مرجان اور افلاک کو چھوتے جبال کی رفعت شان پر فتح لسان اور جرات بیان کر سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مجدّدِ دین وملت امام احمد رضا خان محدث بریلوی یقیناً آسمان علم وحکمت کے ماہ کامل، تحقیق وتدقیق کے سمندروں کی تہہ تک نازل اور فقاہت وثقاہت کی فلک بوس چوٹیوں تک واصل ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ آپ نے بہت اونچی بارگاہ سے بڑی اعلیٰ خیرات پائی ہے۔ اپنے شاندار قصیدۂ معراجیہ کے اختتام پر فرماتے ہیں:

نبی رحمت شفیع امت رضا پہ للہ ہو عنایت

اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

توسائل خاص نے بارگاہِ خاص سے انعام خاص مانگا تو سرکارِ خاص الخاص نے اپنے عاشقِ خاص کو کیا کیا عنایاتِ خاصہ سے نوازا ہو گا، اس کا اندازہ لگانا اللہ تعالیٰ کی

رحمتِ خاص الخاص کے بغیر ناممکن ہے۔

کسی طالب علم کی صلاحیتوں کی درست جانچ بھی کسی کامل استاد کی محتاج ہوتی ہے، تو علم و فضل کے بحرِ بیکراں اور فقاہت و حکمت کے جبلِ شامخ کا فقہی مقام متعین کرنا کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے، الا یہ کہ علمائے راسخین نے جو طبقاتِ علما بیان فرمائے اور ان کے لیے جو علامات و شرائط ذکر فرمائے ان کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی تحقیقات و تدقیقات کو پرکھا جائے تو امید ہے کہ کسی درست نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے اور واقعی جس نے بھی علم و فضل اس آفتاب کی ضیاء پاشیوں کو ان کی تصنیفات اور فتاویٰ میں عینِ انصاف سے دیکھا تو وہ انکو سراہتا نظر آتا ہے۔ کبھی کوئی انکو امام اعظم ابو حنیفہ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا اور انکے شاگردوں کا ہم پلہ کہتا نظر آتا ہے، تو کوئی انکو محقق علی الاطلاق جیسوں کا ہم درجہ اور کوئی انکو ان سے بھی فائق بیان کرتا دکھتا ہے اور امام ابن کمال پاشا کے بیان کردہ طبقاتِ فقہا میں سے انکو اعلی درجے کے طبقات میں شمار کرتا نظر آتا ہے۔ جیسے شرفِ ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری آپ کو مجتہد فی المسائل اور عطائے ملت مفتی عطاء اللہ نعیمی آپ کو مجتہد فی المذہب کے درجہ پر فائز گمان کرتے نظر آتے ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ بھی فاضل نوجوان مفتی مہتاب نعیمی نے اسی موضوع پر قلم بند فرمایا اور اعلی حضرت امام اہلسنت کی تحقیقات و تصنیفات و فتاویٰ کی روشنی میں آپ کو ابن کمال پاشا کے مقرر کردہ طبقاتِ فقہا میں سے مجتہد فی المسائل کے طبقے میں شمار کیا اور امام اہلسنت کی تصنیفات و فتاویٰ میں سے مثالیں جمع کرکے اپنے دعوے کو مدلل و مبرہن کیا۔

رسالہ ھذا کا منہج و اسلوب:

ابتداءِ فقیہ کی مختلف علما کی بیان کردہ تعاریف کو ذکر کیا اور امام اہلسنت پر ان کو منطبق کیا پھر امام اہلسنت کے فقہی مقام کو بیان کرتے ہوئے آپ کا فقہی ضوابط وضع کرنے کی مہارت کو امام اہلسنت کی تصنیفات و فتاویٰ میں مذکورہ مثالوں میں سے متعدد مثالوں کو ذکر کرتے ہوئے واضح کیا، پھر امام اعظم ابو حنیفہ کے مقرر اصولوں کی روشنی میں نئے مسائل کا استخراج کرنے کی صلاحیت و مہارت کو ثابت کرنے کے لیے بھی متعدد مثالیں تفصیل سے بیان کیں اور اس کام میں تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا۔

اور یقیناً نوجوان مفتی مہتاب احمد نعیمی ان علما میں سے ہیں جن کے بارے میں وہ مثال درست نظر آتی ہے کہ "پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں"۔ مفتی مہتاب زمانۂ طالبِ علمی میں ہی اپنے اساتذہ کی نظر میں اس ستارے کی مانند تھے جس سے یہ امید کی جاتی تھی کہ ان کو مستقبل میں چرخِ علم و حکمت پر مہتاب بن کر چمکنا ہے۔

اور موصوف کی دیگر تصانیف و تحقیقات اور بالخصوص زیر نظر رسالہ ان کے رسوخِ علمی، فقہی مہارت اور ماہر مفتی ہونے پر شاہد و عادل ہیں۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مفتی مہتاب احمد نعیمی امام اہلسنت کے فقہی مرتبہ کے اس بیان میں تنہا نہیں ہیں اور نا ہی سب سے پہلے اس باب میں تحقیق کا دروازے کھولنے والے ہیں۔ بلکہ بطور تائید ذکر کرتا ہوں کہ امام اہلسنت کے فقہی مقام پر پاک ہند کے ساتھ ساتھ عرب دنیا میں بھی پر ریسرچ ہوتی رہی ہے اور آج سے نہیں بلکہ تقریباً 25 سال قبل مصر کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ الازہر شریف کے کلیہ الشریعہ والقانون میں ڈاکٹر عبد الفتاح محمد النجار کی زیر نگرانی 1995 سے 1998 کے دوران ماسٹر کی ڈگری کے حصول کے لیے محقق محمد مشتاق احمد الازہری نے امام

اہلسنت کے فقہی مقام اور فقہ حنفی میں انکی تحقیقات کے اثرات پر بہت جامع اور مدلل بحث کی ہے اور امام اہلسنت کی فقہ حنفی میں عظیم خدمات کو مفصل انداز میں مثالوں کے ساتھ بیان کیا اور آپ کے فقہی مقام کو بیان کرنے کے لیے درج ذیل عناوین ذکر کیے:

الآراء الاجتهادية الفقهية الحديثة للإمام أحمد رضا خان

بحوث نادرة وتحقيقات رائعة لم يسبق إليها

تكثير الجزئيات واستخراج الفروع في ضوء الأصول.تنبيهات على زلات وأخطاء.زيادته بعض المسائل على الدر المختار وشرحه لابن عابدين

اجتهاد الإمام أحمد رضا خان في الأحكام التي ليس فيها النص

وضع الأصول والضوابط أو التنبيه عليها مع التوجيه إلى رسم المفتي

اور ان عناوین پر دلائل اور مثالوں کے ساتھ تفصیلی بحث کرتے ہوئے نتیجتاً امام اہلسنت کو ابن کمال پاشا کے بیان کردہ طبقات فقہاء میں سے مجتہد فی المسائل کے طبقے میں شمار کرتے ہوئے فرمایا:

كان الإمام أحمد رضا خان متصفاً بصفات كثيرة من صفات المجتهدين المذكورين في الدراجات الستة المذكورة. ولكنه امتاز بصفات **المجتهد في المسائل** حيث إنه كان متصفاً بجميع صفات المجتهد في المسائل فإنه اجتهد في المسائل الحديثة المعاصرة له التي لم يظهر فيها نص من الإمام أبي حنيفة، ولكنه اجتهد في الأصول والفروع في ضوء قواعد الإمام أبي حنيفة والفتاوى الرضوية خير شاهد على هذا الأمر.

آخر میں دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت فاضل محقق مفتی مہتاب احمد نعیمی کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تشنگان علم کو اس سے فیضیاب فرمائے کہ موصوف کو شیاطین کے شر اور حاسدین کے حسد سے محفوظ فرمائے، ان کے علم و عمل واخلاص واستقامت میں برکتیں عطا فرمائے اور اسی طرح دین متین کی خدمت اور

بزرگوں کی دینی خدمات کو شاندار انداز میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم القرآن والسّنة في فيضان مدينة
أحمد رضا بن محمد اسلام الشامی
25 رمضان المبارک 1443 بمطابق 27 اپریل 2022

تقریظِ جلیل

از مصنف و مترجم کتب کثیرہ، مقرر شعلہ و شیریں بیان، حضرت **علاّمہ محمد آصف اقبال مدنی** عطاری سلمہ الباری
(نگران شعبہ تراجم: المدینۃ العلمیہ، فیضانِ مدینہ، کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

اسلام کا نظام حیات آخری اور ہمیشہ کے لیے ہے، اس میں ہماری تمام ضرورتوں کا حل پوشیدہ ہے۔ دورِ رسالت میں اپنے تمام دینی و دنیاوی مسائل کا حل پانے کے لیے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ نبوی ﷺ میں رجوع کرتے اور معلم کائنات ﷺ ان تمام سوالات کے جوابات ارشاد فرماتے، یوں شرعی ضرورت کے حل کے لیے سوال جواب کی روایت قائم ہوئی جسے استفتاء اور فتوی کا نام دیا گیا۔ ہادی دوعالم ﷺ کے بعد آپ کے بعض جلیل القدر اصحاب جیسے عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم اس منصب افتا پر فائز ہوئے، انہوں نے نصوص میں گہرا غور و فکر کر کے اور اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں احکام اخذ کیے اور دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام کی شرعی رہنمائی فرمائی۔ ان نفوس قدسیہ کے بعد تا حال یہ سلسلۃ الذہب جاری و ساری ہے۔ اللہ کریم کا یہ بہت بڑا فضل ہے کہ اُس نے امت محمدیہ کو ایسے فقہائے کرام اور مجتہدین عظام عطا فرمائے جنہوں نے نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے احکام قرآن و سنت اور اجماع سے اخذ کیے اور اہل اسلام کی دینی الجھنوں کو دور کیا۔

یاد رہے کہ قرآن و سنت سے اجتہاد و استنباط ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ خالق لم یزل دین کی ایسی سمجھ بوجھ اُسی بندے کو عطا فرماتا ہے جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرمالے۔ قاسم نعمت ﷺ فرماتے ہیں: من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی

الدین ترجمہ: اللہ پاک جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث:2948) علامہ مناوی علیہ الرحمہ اس کے تحت فرماتے ہیں: ای یفھمہ ویبصرہ فی کلام اللہ تعالیٰ و رسولہ یعنی اُسے کلام الٰہی اور کلام رسول کی سمجھ اور بصیرت سے نواز دیتا ہے۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر) آپ نے یہ شرح بھی فرمائی: أی یفھمہ اسرار أمر الشارع ونھیہ بنور ربانی یعنی اللہ پاک اُسے نور ربانی کے طفیل شارع علیہ السلام کے امر و نہی (احکامات) کے رموز واسرار سمجھا دیتا ہے۔ (المرجع السابق)

معلوم ہوا کہ جس بندے کے ساتھ اللہ پاک بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے قرآن وسنت کا فہم عطا فرمادیتا ہے اور علامہ مناوی علیہ الرحمہ کی صراحت سے یہ بھی پتا چلا کہ ایسوں کو "نور ربانی" عطا ہوتا ہے، جی ہاں فقط علم حاصل ہونا اور شے ہے اور علم کے ساتھ "نور علم" ملنا اور شے ہے اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔ یہ نور ربانی کسی جاہل کو ہر گز عطا نہیں کیا جاتا ہے چنانچہ، حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک موقع پر نور علم سے محروم لوگوں کو بے وقوف وجاہل قرار دیا۔ (حلیۃ الاولیاء، 1/121) اور یہ نور علم فرشتوں کے ذریعے دل میں القا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ پاک دلوں میں علم کا نور اور علوم کی رحمت اُن فرشتوں کے ذریعے داخل فرماتا ہے جو اس پر مقرر ہیں اور وہ فرشتے پاک ہیں، بری صفات سے محفوظ ہیں ۔لہذا وہ پاک ہی کو دیکھتے ہیں اور ان کے پاس جو رحمت الٰہی کے خزانے ہیں وہ ان سے پاک لوگوں کو ہی نوازتے ہیں۔ (ماخوذ از احیاء العلوم، 1/174) نیز آپ فرماتے ہیں کہ نور علم اور قوت ایمان جس قدر پختہ اور زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر معرفت بھی پختہ ہوتی ہے۔ (احیاء العلوم، 3/925) اس کے برعکس نور الٰہی جسے نصیب نہ ہوا سے تو اکابر نے محروم قرار دیا اور اُس کے عالم نہ ہونے کا اشارہ دیا۔ چنانچہ، امام شعبی علیہ الرحمہ سے کسی

شخص نے کہا: فلاں شخص عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو کبھی اس پر علم کا نور نہیں دیکھا۔ (حلیۃ الاولیاء، رقم:5856) اور امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ حقیقت ہر اس شخص پر عیاں ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت پر معمولی سی سمجھ ہے، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نورِ علم نہ عطا فرمائے اس کو نور کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، 15/493)

علامہ عبد الرءوف مناوی علیہ الرحمہ صاحب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں: "علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں اصل ہیں جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں اور اسلام وایمان کی طرح ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے جسم اور دل کہ ان میں ایک، دوسرے سے جدا نہیں ہوتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ علمِ باطن دل سے ظاہر ہوتا ہے اور علمِ ظاہر زبان سے نکلتا ہے پس علمِ ظاہر کانوں سے تجاوز نہیں کرتا اور محض علمِ ظاہر والوں کو ایسے علما نہیں کہا جا سکتا جو انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں کیونکہ ان کے وارثین تو وہ با عمل، نیک اور پرہیز گار علما ہیں جنہیں موروثی علم اسی صفت کے ساتھ ملتا ہے جس صفت پر وہ مُورِث یعنی اس کے نبی علیہ السلام کے پاس تھا۔ وہ علم والا وارث نہیں جس کا علم اس کے خلاف حجت بن جائے اور اس کے دل میں "نورِ علم" پہنچنے میں بری نیت، خبث باطنی اور نفسانی خواہشات کی پیروی رکاوٹ ڈالے اور علم کی حقیقت کو چھپا دے اور وہ اس وعید کا مستحق ہو جائے کہ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (پ12، ہود:98) تو انہیں دوزخ میں لا اتارے گا اور وہ کیا ہی برا گھاٹ اترنے کا۔ (فیض القدیر، 4/513) بلاوجہ کی بحث بازی، کٹ حجتی، ناحق جھگڑا اور علمی نزاع ایسی چیزیں بھی بندے کو نور علم سے محروم کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: المراء والجدال فی العلم یذهب بنور العلم من قلب الرجل یعنی علم میں

فضول بحث وتکرار بندے کے دل سے نور علم کو ختم کر دیتا ہے۔(جامع العلوم والحکم،93/1)

مذکورہ گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس شخص کو اللہ پاک دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اُسے ایمان کی پختگی، معرفت کی مضبوطی، نور علم، نور ربانی، رحمت علم، علم باطن اور ہدایت وبصیرت سے معمور کر دیتا ہے جس کی برکت سے وہ قرآن وسنت میں تدبر اور گہرا غور وفکر کر کے احکام اخذ کرتا ہے اور یہ شان ہے امت کے ان نفوس قدسیہ کی جن کو مجتہدین فی الشرع، مجتہدین فی المذہب اور مجتہدین فی المسائل کے نام سے معنون کرتے ہیں۔ موخر الذکر ائمہ وہ ہیں جو اصول وفروع میں اپنے امام مذہب کی مخالفت نہیں کر سکتے مگر جہاں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی وہاں امام کے مقرر کردہ اصولوں اور مبسوط قواعد کے مطابق اجتہاد واستنباط کر کے احکام اخذ فرماتے ہیں جیسے امام خصاف ،امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، امام حلوانی، امام سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور امام فخر الدین قاضی خان رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شاگردِ عطائے ملت، محقق عالم مفتی مہتاب احمد مدنی نعیمی سلمہ الغنی نے پیش نظر رسالہ اس بات کے تعین وثبوت کے لیے تحریر فرمایا کہ فقیہ افخم، مجدد اعظم امام احمد رضا خان حنفی علیہ الرحمہ درجہ اجتہاد میں اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہیں اور آپ "مجتہد فی المسائل" کے مقام عظیم پر فائز ہیں۔ موکف موصوف بڑے ذہین، سلجھے ہوئے، صلاحیتِ اخذ سے مالا مال، فہیم وفطین، علم فقہ سے بھرپور وابستہ اور راہ تحقیق وتدقیق کے مسافر ہیں۔ ان کے تحریر کردہ بعض فتاوی وکتب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی حتی کہ راقم الحروف نے بھی بعض تحقیق طلب استفتاء پیش کیے جن کے باصواب وشافی جوابات عنایت ہوئے۔ رسالہ ہذا میں بھی یہ علمی وتحقیقی مزاج قائم ہے۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا خان حنفی علیہ الرحمہ کے "مجتہد فی المسائل" ہونے کے زبردست

دلائل آپ کی کتب و فتاوی سے پیش کر کے مولف نے اپنے موقف کو مدلل و مبرہن کیا ہے۔ مولائے قدیر مفتی مہتاب احمد نعیمی صاحب مدظلہ کو اور ہمیں امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالی کی تحقیقات کے فیوض وبرکات سے متمتع فرمائے اور قبلہ مفتی صاحب زید علمہ کی علمی و فقہی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور برکات علم و نور علم سے وافر حصہ نصیب فرمائے۔ امین بجاہ محمد خاتم النبیین ﷺ

دعا گو، دعا جو: احقر العباد محمد آصف اقبال مدنی عطاری

۱۴ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق 16 مئی 2022ء

تقریظِ جلیل

از عظیم مدرّس پیر طریقت رہبر شریعت مناظر اہلسنت قاطع نجدیت

مفتی سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی نقشبندی حفظہ اللہ الغنی

امام عاشقاں، محقق دوراں، علامہ زماں، فخر الاعیاں، کثیر الاحسان، معتمد عالماں، معلم فقیہاں، مخدوم العلماء، تاج الفقہاء، صاحب فہم و زکاء، امام المشائخ والفقہاء، بقیۃ السلف وحجۃ الخلف، تاج الفحول، کشتہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جامع المعقول والمنقول، محب اولاد بتول، فاضل جلیل، عالم نبیل، محدث عدیل، شمشیر بے نیام، رہنمائے خاص وعام، سید العلماء الاعلام، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حجۃ السالکین، پیشوائے کاملین، سلطان العاشقین، سند المحدثین، رہنمائے رجال الدین، شیخ ارباب یقین، جبل استقامت، آفتاب رشد وہدایت، پیکر شرافت، مخزن علوم شریعت و معرفت وارث تاج مجددیت، فقیہ العصر، علامۃ الدھر، مجدد مائۃ اربعۃ عشر، فقیہ اعظم فی عصرہ، ثانی ابو حنیفہ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ الامام احمد رضا خان افغانی ثم قندھاری ثم بریلوی قدس سرہ العزیز۔ اہل علم اہل نظر حضرات بخوبی واقف ہیں کہ فتاوی عالمگیری کے بعد فتاوی رضویہ شریف ہے کہ جس نے پاک وہند بلکہ جمیع عالمِ اسلام میں فقہ حنفی کے عروج وارتقا واستحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ہندوستان مے ں فقہ حنفی کی جیسی خدمت کی اس کی مثال کہیں اور نہیں اور فتاوی رضویہ شریف میں موجود استدلال واستشہاد من القرآن والسنۃ کی جو شان ملتی ہے اس کی بھی نظیر کہیں اور نہیں۔

میرے مرشد ومربی العارف باللہ فنا فی اللہ بقا باللہ حضرت اخوندزادہ خواجہ سیف الرحمن علیہ رحمۃ الرحمن پیر ارچی خراسانی نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ہندوستان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو پیدا نہ کرتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔

زیرِ نظر کتاب: ’[طبقات فقہا اور امام احمد رضا‘‘ کو فقیر نے بعض علمی

مصروفیات کی وجہ سے طائرانہ نظر دیکھا ہے، الحمدللہ بجانب حق وصواب پایا۔ لاشک فیہ کہ سیدی اعلی حضرت ایک عظیم فقیہ اور مجتہد فی المسائل ہیں وقت اور دیگر علمی مصروفیات اجازت نہیں دیتی وگرنہ اغیار کے حوالہ جات کو جمع کر دیتا کہ اغیار بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یقیناً سیدی اعلی حضرت ایک عظیم فقیہ ہیں۔

اللہ تعالٰی حضرت عالم نبیل فاضل جلیل روشن ضمیر علامہ مفتی مہتاب احمد نعیمی دامت فیوضاتھم العالیہ کی اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور حضرت کی اس کاوش کو توشہ آخرت بنائے۔

اور ہم اہل سنت وجماعت کو سیدی اعلی حضرت کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کے ساتھ فتاوٰی رضویہ شریف وغیرہا کو بھی پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین الرحمن الرحیم

تقریظِ جلیل

ازیادگارِاسلاف شیخ الحدیث **مفتی محمد عبدالسلام قادری** رضوی دام ظلہ

(مہتم: دارالعلوم غوثیہ منظرالاسلام، واہ کینٹ، پاکستان)

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْم

زیرِ نظر مقالہ میں فاضل جلیل علامہ مفتی مہتاب احمد نعیمی زید شرفہ، "مفتی دار الافتاء جامعۃ النور کراچی" نے "طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا" کے عنوان پر امام اہلسنت اعلحضرت امام احمد رضاخان قدّس سرّہ کے علمی و فقہی مقام ومرتبہ پر دلائل وشواہد کی روشنی میں جامع بحث فرمائی ہے کہ جہاں اعلحضرت امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ پر فقہ کی فقہا، اصولیین و متصوفین کی بیان کردہ تعریفات بدرجہ اتم صادق آتی ہیں تو وہاں ساتوں طبقاتِ فقہا مجتہدین فی الشرع، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل، اصحابِ تخریج، اصحابِ ترجیح، ممیّزین اور محض مقلّدین اور انکی بیان کردہ تعریفات وامثال کے پیشِ نظر اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات جامع صفات میں اجتہاد کی جھلک نمایاں ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر تصانیف مبار کہ بالخصوص فتاوٰی رضویہ، جدّ المتار ودیگر تحقیقاتِ نادرہ کے مطالعہ سے آپ کی شخصیت میں "مجتہدین فی المسائل" کی تمام شرائط وصفات کلیۃً موجود بلکہ طبقہ کے دیگر فقہاے کرام کی تحقیقات سے بڑھ کر پائی جاتی ہیں جس پر چند امثلہ فاضل موٗلّف نے اپنے اس مقالہ میں ذکر فرمائی ہیں۔

بالخصوص سائنسی ترقی اس دور میں آئے روز نئے نئے درپیش بے شمار ایسے لاینحل مسائل کہ جن کے بارے میں امام اعظم رحمۃ للہ علیہ سے کوئی روایت موجود نہ تھی، اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے مقرر کردہ اُصول وقواعد کی

روشنی میں "ضوابطِ رضویہ" مقرر فرما کر انکی روشنی میں ایسے جدید و صعب مسائل کا براہِ راست کتاب و سنّت سے استخراج و استنباط فرمایا کہ جن سے دنیا بھر کے جیّد علما و فقہا بے بس و عاجز آچکے تھے آپ رحمہ اللہ کی انہی گراں قدر تحقیقات و فتاوٰی کو دیکھ کر مکّہ المکرّمہ کے فقیہ جلیل حضرت مولانا سیّد اسماعیل بن مولانا سیّد خلیل رحمہما اللہ پکار اٹھے: "وَاللهِ أَقُوْلُ وَ الْحَق أَقُوْلُ إِنَّهُ لَوْ رَاٰهَا أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَأَقَرَّتْ عَيْنُهُ وَ لَجَعَلَ مُؤَلِّفَه مِنْ جُمْلَةِ الْأَصحاب" یعنی، بخدا میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فتاوٰی کو ملاحظہ فرمالیتے تو انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور وہ فتوٰی لکھنے والے کو اپنے شاگردوں میں شامل فرمالیتے۔

اہلسنت کے عظیم عالم دین شیخ الحدیث استاذ العلما علامہ عبد الحکیم شرف قادری قدّس سرّہ العزیز اپنے ایک مضمون میں طبقاتِ فقہا میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و فقہی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ ابن کمال پاشانے فقہاکے سات طبقے بیان کئے جن میں تیسرا طبقہ "مجتہدین فی المسائل" کا ہے، یہ وہ فقہاہیں جو اُصول و فروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کا استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں امام احمد رضا بریلوی کے فتاوٰی اور تحقیقاتِ جلیلہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے میں شامل ہیں، چنانچہ آپ نے نوٹ کے احکام پر مبسوط رسالہ: "کفل الفقیہ الفاھم" لکھ کر عرب و عجم کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا، اسی طرح انگریزوں کی ایک کمپنی "روسہ" جانوروں کی ہڈیاں جلا کر ان کی راکھ سے شکر صاف کرتی تھی یہ ایک نیا مسئلہ تھا جسے آپ نے اصولِ دینیہ کی روشنی میں بیان کیا، اسی طرح جنس ارض کی تہتر (۷۳) قسمیں علمائے متقدّمین نے بیان کی تھیں جن میں آپ نے

ایک سو سات (۱۰۷) چیزوں کا اضافہ کیا اور جن چیزوں سے تیمّم نہیں ہو سکتا فقہا متقدّمین نے سینتالیس (۴۷) چیزیں گنوائی تھیں جبکہ آپ نے ان میں تہتر (۷۳) چیزوں کا اضافہ کیا۔ فتاوٰی رضویہ جلد اوّل کے بارے میں خود فرماتے ہیں: بظاہر اس (پہلی جلد) میں ۱۱۴ فتوے اور ۳۸ رسالے مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہزارہا مسائل پر مشتمل ہے جن میں صدہا وہ ہیں کہ اس کتاب کے علاوہ کہیں نہ ملیں گے۔(مضمون: "امام احمد رضا بریلوی"، مشمولہ فتاوٰی رضویہ، جلد اوّل، ص:۳۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

الغرض علامہ مفتی مہتاب احمد نعیمی زید شرفہ کا یہ مقالہ قابل داد و تحسین کاوش اور دلائل وبراہین سے مزیّن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مطالعہ کی وسعت وباریک بینی کی واضح دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کے طفیل اعلٰحضرت امام احمد رضا خان محدّث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزید علمی وروحانی فیض عطا فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین علیہ التحیۃ و التسلیم

گدائے رضوی محمد عبد السلام قادری رضوی عفی عنہ

1 رمضان المبارک 1443ھ۔ 3 اپریل 2022م

تقریظِ جلیل

از مذہبی اسکالر مفتی عبد الرحمن قادری صاحب حفظہ اللہ تعالی (مبلغ اسلام: وسطی افریقہ)

الحمد لله هو الفقه الأكبر و الصلوٰة والسلام على سيدنا محمد الإمام الأعظم وعلى اله وصحبه و علماء ملته و مجتهدى أمته و بارك وسلم.

امام احمد رضا خان کی فقاہت کو جاننے کیلئے پہلے ان دو حدیثوں کو جاننا سمجھنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

1: يُوْزَنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ وَدَمُ الشُّهَدَاءِ فَيَرْجَحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ عَلَى دَمِ الشُّهَدَاءِ.رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ.(أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، 5/ 486، الرقم/ 488، والجرجاني في تاريخ جرجان، 1/ 91، الرقم/ 52، والسمعاني في أدب الإملاء والاستملاء، 1/ 192.)

2: فَقِيْهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَه: فَقِيْهٌ وَاحِدٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه.(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، 5/ 48، الرقم/ 2681، وابن ماجه في السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، 1/ 81، الرقم/ 222، والطبراني في المعجم الكبير، 11/ 78، الرقم/ 11099، وفي مسند الشاميين، الرقم/ 2/ 161)

امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ والرّضوان صاحب علم و عرفان، مترجم قرآن بنام کنز الایمان، اہل حق کی پہچان کے ضخیم فتاوی جات آپ کی عظیم فقہی بصارت پر دلالت کرتے ہیں۔ فتاوی پڑھنے والے کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک فقیہ کیوں ہزار شیطان پر بھاری ہوتا

ہے اور کیوں کر علماء کے قلم کی سیاہی بروز حشر شہداء کے خون سے زیادہ قیمتی ہوگی۔

فتاوی رضویہ کے تعلق سے ممبئی ہائی کورٹ کے مشہور و معروف وکیل جسٹس پروفیسر ڈی این ملانے کہا تھا: "برصغیر کی دو نادر روزگار کتابیں لکھی گئیں ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاوی رضویہ"۔

مطالعہ کے دوران دو پیارے جملے میری نظر سے گزرے: آپ جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کو الم نشرح کر کے ہی چھوڑتے ہیں آپ گویا فرقہائے باطلہ کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔

جب ان کے باطل نظریات کی بیخ کنی فرمانے پر آتے تو انہیں کعصف ماکول کی عملی تصویر بنا کر چھوڑتے۔

میں فقہ کا ادنیٰ متعلم اور معلم ہونے کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ کے خطبہ کے حصار سے باہر نہیں آپا رہا ہوں۔ تاریخ فقہ میں ایسا خطبہ نہیں گزرا۔

پھر سونے پر سہاگا جس مسئلہ پر قلم اٹھایا وہ کتاب یا رسالہ بن گیا۔ اس کا عربی با محاورہ نام اور جس سال وہ تحریر کیا گیا علم ابجد کے اعتبار سے اسی کا نام رکھا گیا۔ مثلاً أجلی الإعلام أن الفتوی مطلقاً علی قول الإمام 1334ھ۔

آج عرب و عجم کے تعلیمی مراکز میں امام احمد رضا کی فقاہت و ذہانت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ ایسا فقیہ جو معیشت دان بھی ہے اور سائنسدان بھی۔

جس عالم نے امام احمد رضا کا جتنا زیادہ مطالعہ کیا، اس کا علمی ذوق اور فقہی کمال بلندیوں کو چھونے لگا۔

اسی وجہ سے عزیزم مفتی مہتاب احمد نعیمی صاحب نے ضرورت سمجھی کہ طبقات فقہاء میں امام احمد رضا کس مقام پر ہیں، اس کو دلائل و براہین کے ساتھ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ فاضل جلیل مفتی صاحب نے بہت ہی آسان انداز میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علمی کمالات میں اضافہ فرمائے اور عوامِ اہلسنت کے لئے عظیم رہبر و رہنما بنائے۔

موصوف کا یہ کمال ہمارے مشترکہ استاذ مُحققِ عصر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی علمی جولانیوں کا نتیجہ ہے، جو گذشتہ 25 سال سے زائد امام احمد رضا کے مشن پر گامزن ہیں اور ہزاروں فتاویٰ تحریر کر چکے ہیں۔ صرف حج و عمرہ کے مسائل پر ہی فتاوٰی کی 17 جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ جامعۃ النور گویا گلشنِ امام احمد رضا خان ہے اور مفتی عطاء اللہ نعیمی اس کے سر خیل اور ترجمان۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان کلمات اور کتاب کے صدقے مجھ نکمے پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور جناب احمد مختار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہو جائے۔

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وَا منقار ہے

غریب الوطن: عبد الرحمن قادری

ملاوی وسطی افریقہ

19 مئی 2022

تقدیم

از عمدۃ الفقہا بقیۃ السلف پیرِ طریقت رہبر شریعت شیخ الحدیث حضرت علامہ عطائے ملّت

مفتی محمد عطاء اللہ صاحب سنّی حنفی بریلوی نعیمی قدّس اللہ سرّہ، وعمّ برّہ وتمّ نورہ وأعظم أجرہ وأکرم نزلہ وأنعم منزلہ و دامت برکاتھم العالیة و أطال اللہ عمرہ۔ (1)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اللہ عزّوجلّ نے انسان کو بنایا، سب سے اچھا بنایا، پھر مسلمان بنایا، بولنا، چلنا، لکھنا سکھایا اور اپنے کرم خاص سے محبوب بندوں کو علمِ لدنی عطا فرما کر برگزیدہ بنایا، اوروں کو دکھایا کہ جب ہم راضی ہوتے ہیں تو کتنا کچھ علم عطا فرماتے ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے یہ انعام فرماتا ہے۔

امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں میں سے تھے جن کو فیضِ ربِّ قدیر سے وہ کچھ ملا جسے کسی پیمانے سے ناپا یا تولا نہیں جاسکتا بلکہ اس کا صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

چنانچہ مشہور ریاضی داں اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے ایک مسئلے میں الجھ گئے، سلجھانے کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے، قدرتِ الٰہی ڈاکٹر صاحب کو امام احمد رضا کی چوکھٹ پر لے آئی، مسئلہ پیش

(1)۔ شبستانِ حضور شارح بخاری ممبئی کے بانی معزز حضرت مولانا غلام احمد رضا شریفی صاحب (انڈیا) کی جانب سے فقیر کو اس موضوع پر کہ "امام اہل سنّت امام احمد رضا خان حنفی، متوفی ۱۳۴۰ھ کا شمار فقہائے کرام کے کس طبقے میں ہوتا ہے" رائے پیش کرنے کا کہا گیا۔ مصروفیات کی بناء پر یہ کام اپنے شاگرد رشید مفتی مہتاب احمد نعیمی زید مجلہ کو تفویض کیا جو کہ دارالافتاء جامعۃ النور کے مفتی ہیں۔

کیا آن کی آن میں حل کر کے ڈاکٹر صاحب کو حیران کر دیا۔ انہوں نے یہی فرمایا: یہ علمِ لدنّی ہے، کسب و ریاض سے حل نہیں ہوتا، یہ عطائے ربانی ہے۔[1]

یہی وہ علم ہے جس کی جھلک ان کی ہر تصنیف و تحقیق میں نظر آتی ہے۔

امام احمد رضا بکثرت علوم و فنون کے ماہر تھے۔ آپ علیہ الرّحمہ کے آثارِ علمیہ میں جتنا غور و خوض کیا جائے ان کی تعداد بڑھتی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا ایسا بحر بیکراں ہیں جہاں سے بے شمار نہریں پھوٹتی ہیں۔ وہ ہر علم و فن میں مہارت رکھتے تھے **مگر فقہ میں ان کو جو تبحّر اور گہرائی حاصل تھی اس میں اپنی نظیر آپ تھے۔**

چنانچہ پروفیسر عبد الفتاح ابو غدّہ (پروفیسر کلیۃ الشریعہ محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض) نے جب فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا ایک عربی فتویٰ مطالعہ فرمایا تو وہ پھڑک گئے اور دل نے کہا کہ یہ ایک زبردست فقیہ ہے۔[2]

امام احمد رضا کے کمالِ فقاہت پر دو رائیں نہیں، موافق و مخالف سب ایک رائے ہیں اور عرب و عجم سب متفق ہیں۔[3]

افقہ امت امام اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ والرّضوان کی بے شمار خدماتِ فقہیہ و علمی کارنامے ہیں، ان میں سے صرف ایک فقہی کارنامے کو ذکر کیا جاتا ہے کہ فقہِ حنفی میں ردّالمحتار کی حیثیت خاتم التحقیقات کی ہے۔ ائمہ مجتہدین کے عہدِ مبارک سے لے کر بارہویں صدی تک فقہِ حنفی پر مختصر و مطوّل جتنی کُتُب لکھی گئیں

---

(1)۔ مفتی برھان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، ص:۵۹، مطبوعہ: لاہور ۱۹۸۱ء۔

(2)۔ محمد یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا خان ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص:۱۹۳، مطبوعہ: الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء)

(3)۔ (تفصیلات کے لیے درج ذیل مضامین کا مطالعہ فرمائیں: " فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں " (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ)، " امام احمد رضا اور عالم اسلام (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ)، " اقتائے حرمین کا تازہ عطیہ (سیّد عبد الرحمن قادری) وغیرہ وغیرہ۔

، ''ردّ المحتار'' ان سب کا عطرِ تحقیق ہے اور اس کے مصنّف علامہ شامی علیہ الرّحمہ کا مقام خاتم المحققین کا ہے، وہ کثرتِ مطالعہ، قوّتِ حفظ، ذکاوت، فطانت، استحضار، قوّتِ اخذ و استنباط، زورِ تحریر و تحقیق میں اپنی مثال آپ ہیں۔ سینکڑوں کُتبِ فقہ کے مطالعے اور ہر کتاب کی اصل عبارت کی طرف مراجعت کے بعد حضورِ ذہنی کے ساتھ انہوں نے '' ردّ المحتار'' کو ابحاثِ شاملہ و تحقیقاتِ کاملہ سے ایسا آرستہ و پیراستہ کر دیا کہ نہ اس میں حشو و تطویل ہے کہ اختصار کے قابل ہو اور نہ ہی تعقیدِ لفظی و معنوی ہے کہ محتاجِ وضاحت ہو اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کمی ہے کہ اضافے کی گنجائش ہو کما لا یخفٰی۔

ان سب کے باوجود اس پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت تھی یا نہیں ؟اس کا جواب ''جدّ الممتار'' کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے، نیز زیرِ نظر رسالہ: '' طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا'' کا مطالعہ کر کے اپنے ضمیر سے اس کا جواب معلوم کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ صاحبِ رسالہ نے اپنے دعوے: ''امام احمد رضا مجتہد فی المسائل ہیں'' پر جن دلائل کو پیش کیا، ان میں سے اکثر '' جد الممتار'' سے لیے گئے ہیں اور بظاہر تو رسالے میں افقہِ امّت امامِ اہلِ سنّت کے استنباط کیے ہوئے آٹھ مسائل کا ذکر ہے لیکن ضمناً سینکڑوں ایسے مسائل کا ذکر اس رسالے میں موجود ہیں، جن میں امام اعظم علیہ الرّحمہ سے روایت موجود نہ تھی، آپ نے اُصول و فُروع میں امام کی اِتباع میں اپنے اجتہاد سے ان کا اِستنباط و استخراج کیا ہے اور ان کو وضع کرنے کا سہرا امام اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ کے سر ہے۔

امامِ اہلسنّت علیہ الرّحمہ کی شخصیت اپنی فقاہت کے اعتبار سے الگ ہی مقام رکھتی ہے۔ ان کی فقاہت پر غور کیا جائے اور فقہی تبحّر کو دیکھا جائے تو فیصلہ کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ فقہاءِ کرام کے کون سے طبقے میں آپ کا شمار کیا جانا چاہیے۔

بلا شبہ امامِ اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ کی ذات پر طبقاتِ فقہا کے تیسرے طبقے: "مجتہد فی المسائل" کا بدرجۂ اتم صادق آتا ہے بلکہ ان کی اجتہادانہ صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد آپ کی ذات پر "مجتہد فی المذہب" ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

بہر کیف موصوف نے امامِ اہلِ سنّت کے علمی و فقہی مقام کو مثالوں کے ذریعے متعیّن کرنے کی بہترین سعی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

از محمد عطاء اللہ نعیمی عفی عنہ

2 شعبان 1443ھ۔ 5 مارچ 2022م

خادم الحدیث والافتاء، جامعۃ النور، جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان) کراچی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ ربّ العالمین الذی خلق المجتھدین و الصّلاۃ و السّلام علی حبیبہ سیّد المرسلین الذی جعلھم سنداً فی الدّین وعلی آلہ و أصحابہ أجمعین و علماء أمّتہ و فقھاء ملّتہ من الأوّلین و الآخرین.

میں ایک بے بضاعت طالبِ علم ہوں، ایسے عظیم اور اہم کام کو سرانجام دینے کی کیا ہمّت وطاقت رکھتا مگر محترم المقام بقیۃ السلف جناب قبلہ شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ صاحب سنّی حنفی بریلوی نعیمی قدّس اللہ سرّہ، وعمّ برّہ وتمّ نورہ وأعظم أجرہ وأکرم نزلہ وأنعم منزلہ و دامت برکاتھم العالیۃ و أطال اللہ عمرہ کا حکم، اس اہم اور مشکل کام پر قلم اٹھانے کا سبب بنا ہے اور اللہ تعالی کی توفیق، حضور نبیِّ رحمت ﷺ کی نظر کرم اور اساتذۂ کرام کی دعائیں شاملِ حال ہوں تو ایک ادنی ذرّہ بھی عظیم کام سرانجام دے سکتا ہے، تو بس اللہ تعالی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس تحریر کو شروع کرتا ہوں۔

فقہ کا لغوی معنی: کسی چیز کا جاننا ہے اور اصطلاحِ فقہا میں مسائلِ فرعیّہ کے حِفظ کو **فقہ** کہتے ہیں اور حافظِ مسائلِ فرعیّہ کو **فقیہ** کہتے ہیں اور فقیہ کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ اسے کم از کم تین فرعی مسائل حفظ ہوں خواہ اس کے پیشِ نظر ان مسائل کے دلائل بھی ہوں یا ان کی بنا صرف اقوال فقہا پر ہو اور اصطلاحِ اُصولیین میں فقہ، ان احکامِ شرعیّہ فرعیّہ کے جاننے کو کہتے ہیں، جو اپنے تفصیلی دلائل (قرآن، سنت اور اجماع[1]) سے اَخذ کیے گئے ہوں، مثلاً: نماز فرض ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ وَ اَقِیْمُوا

(1)۔ "قیاس" فقاہت کا نتیجہ ہوتا ہے، لہذا مسائل قیاسیہ کا جاننا فقہ کے اس مفہوم میں داخل نہیں ورنہ دور لازم آئے گا کما فی التوضیح و التلویح۔ از افادات استاذ محترم جامع المعقول والمنقول علامہ عبد الوحد حنفی صاحب حفظہ اللہ القوی

الصَّلٰوۃَ﴾[1]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو۔

لہذا فقہا کی تعریف کے اعتبار سے فقیہ کا اطلاق مقلِّد پر بھی ہو سکتا ہے اور اُصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقیہ ہونا صرف مجتہدین کا خاصہ ہے۔

چنانچہ فقہ اور فقیہ کسے کہتے ہیں، اس بارے میں علامہ علاء الدّین حصکفی حنفی، متوفی: 1088ھ اور علّامہ شامی حنفی، متوفی: 1252ھ علیہما الرّحمہ رقم طراز ہیں: الفِقه لغةً: العِلمُ بالشّيء و اصطلاحاً: عند الأصوليين العلم بالأحكام الشَّرعِية الفَرعِيّة المكتسبة من أدلّتِها التفصيلية وعند الفقهاء: حِفظ الفُروع وأقلّه ثلاثٌ وذكر في التحرير: أن الشائع إطلاقه على مَن يحفظُ الفُروع مطلقاً يعني سواء كانت بدلائلها أو لا.[2]

یعنی، فقہ کا لغوی معنی: کسی چیز کا جاننا ہے اور اُصولیوں کی اصطلاح میں فقہ، ان احکامِ شرعیّہ فرعیّہ کے جاننے کو کہتے ہیں، جو اپنے تفصیلی دلائل سے اَخذ کیے گئے ہوں اور اصطلاحِ فقہا میں مسائلِ فرعیّہ کے حِفظ کو **"فقہ"** کہتے ہیں اور فقیہ کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ اسے کم از کم تین فرعی مسائل حفظ ہوں۔

اور "تحریر" میں ہے: فقیہ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے، جو فُروع کو حفظ کر رکھے خواہ ان کے دلائل جانے یا نہ جانے۔

لہذا اُصولیوں کے نزدیک حقیقی فقیہ، مجتہد کو کہیں گے؛ کیونکہ دلائل کے ساتھ

---

(1)۔ سورۃ البقرہ، 2/43

(2)۔ رد المحتار على الدر المختار، مقدمة، 1/ 37، الناشر: دار الفكر-بيروت، الطبعة: الثانية، 1412هـ - 1992م

احکام کا جاننا اور استنباط کرنا مجتہد کی شان ہے اور ان کے ہاں مُقلِّد یعنی حافظِ فروع پر فقیہ کا اطلاق مجازاً ہے اور عُرفِ فقہا میں حافظِ مسائلِ فرعیہ پر فقیہ کا اطلاق حقیقتاً ہے۔

لہٰذا امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ والرّضوان کو اُصولیین کی تعریفِ فقہ کے آئینے میں دیکھا جائے یا فقہا کے پیمانے پر پرکھا جائے ہر اعتبار سے آپ علیہ الرّحمہ کا فقہ میں بڑا اُونچا مقام نظر آتا ہے کہ تین مسائل کا حفظ ہونا تو درکنار آپ کو اکثر مسائلِ فرعیہ مع دلائلِ شرعیہ ہمیشہ مستحضر رہتے، بغیر مراجعتِ کُتُب کے صرف اپنے حافظے کی بنیاد پر کئی آیاتِ کریمہ واحادیثِ مبارکہ اور سینکڑوں کُتُبِ متون و شروح و فتاوی کی عبارات نقل فرمادیتے بلکہ آپ علیہ الرّحمہ نے ایسے متعدّد قاعدے اور ضابطے مقرر فرمائے جو کُتُبِ فقہ میں کہیں نہیں ملتے اور آپ فقہائے مذہب کے کثیر جزئیات، فُروع، تخریجات اور اِطلاقات وقیودات اور ان کے دلائل ترجیح و تصحیح کو سامنے رکھ کر ایک ایسا جامع ضابطہ وضع کرتے ہیں جس کے دامن میں وہ تمام جُزئیات و فُروع اور تخریجات واِطلاقات وقیودات سمٹ آتے ہیں۔

اور "فتاوی رضویہ" اور "جدّ الممتار" میں ایسے متعدّد ضابطے موجود ہیں اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے، لہذا یہاں ان میں سے چند ضابطے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

(1) رضوی ضابطہ:

عُرف کی تمام صورتوں کو سمیٹنے والا جامع ترین ضابطہ

اعلی حضرت علیہ الرّحمہ فرماتے ہیں: اَقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عُرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ: **عُرفِ عام سے اُن کی مراد**

(1) نہ ہرگز مُستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے،

(2) نہ عُرف محیط اِجماعی،

(3) نہ عُرف اکثر مسلمین جملہ بلادِ عالَم کہ

اوّل قطعاً مثل نصّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے؛لکونہ تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتقریرہ کقولہ أوجب من فعلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لأن الفعل یحتمل أن یکون خصوصیۃ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر (تائید) ہے اورآپ کی تقریر آپ کے قول کی طرح آپ کے عمل سے زیادہ موجب ہے؛ کیونکہ عمل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہے۔

تو اگر نصّ اس کے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اسے فسخ کردے گا۔

اور **دوم** عین اِجماع تو نصّ آحاد سے أقوی اور قطعاً مظہر ناسخ کہ نصّ غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال۔

اور **سوم** کی حجیّت مطلقہ تامہ وافیہ پر نُصوص صریحہ ناطقہ، تو اس کا اضمحلال معاذاللہ سوادِ اعظم کا وقوع فی الضلال اور وہ شرعاً محال ہے۔

بالجملہ مقابلہ نصّ میں (عُرف کی قسم) ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں أعني إطلاق العدم (میری مراد عدم کا اطلاق ہے۔) اور (قسم) اوّل بھی مطلقاً مضمحل (وکمزور) نہیں أعني عدم الإطلاق (میری مراد اطلاق کا عدم ہے۔) اور (قسم) ثالث عند

التحقیق ملتحق بالثانی۔

غرض ایسے تعاملات ضرور حجج مطلقہ ہیں انہیں مطلقاً مقابلِ نص مردود نہیں کہہ سکتے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ عُرف وتعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلاً طاقت نہیں رکھتا، جب خلاف کرے گا رد کر دیا جائے گا۔

بالجملہ بحمد اللہ تعالیٰ بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عُرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عُرفِ حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عُرفِ قدیم زمانۂ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عُرفِ اعم سواد اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکاناً یا وجوباً مقدم علی النص ہیں نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل، نہ واقع ونفسُ الامر ان کا گواہ نہ راہِ فروع ان پر ملتئم نہ کلام ان پر حاکم، ہاں عرفِ خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیصِ نص وترکِ قیاس نہیں اور عُرفِ نادر کہ مَعدودِین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورت حکم بتانے کے لئے جس میں حکم شرعی یا مقیس کی اصلاً مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃً نہ تخصیصاً ہو عُرف مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عُرف فرد ہو۔ اعیان ونذور واَوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے۔

اور آپ علیہ الرحمہ نے مذکورہ تحقیق کے آخر میں فرمایا:

یہ ہے بحمداللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر و محصل کہیے اور بفضلہ تعالیٰ کسی تقریر و تاصیل و تفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھئے۔

وقد كنت أرى فى الباب مباحث "الأشباه" وكلمات "رد المحتار" من مواضع عديدة فلا أجد فيها مايفيد الضبط و يزول به الاضطراب والخبط وكان العلامة الشامى كثيراً مايحيل المسئلة على رسالته: "نشر العرف" فكنت تواقاً إليها مثل جميل إلى بُثَينة فلما رأيتها وجدتها أيضا لم يتحرر لها مايكفى و يشفى ولم يتخلّص فيها ماترتبط به الفروع وتاخذ كلمات الائمة بعضها حجز بعض ولكن ببركة مطالعتها فى تلك الجلسة فتح.[1]

یعنی، میں مسائل عُرف میں "الأشباه" کی بحثوں اور "رد المحتار" کے کلمات کو متعدد مقامات سے دیکھتا تھا تو مجھے ان میں عُرف کی تمام صورتوں کو سمیٹنے والی اور ان کے درمیان اضطراب اور انتشار کو دور کرنے والی کوئی بات نہیں ملتی تھی اور علامہ شامی علیہ الرّحمہ اکثر اپنے رسالہ "نَشر العَرف" کے حوالے دیتے ہیں؛ اس لیے میں اس رسالہ کا اس طرح مشتاق تھا جیسے جمیل، بثینہ[2] کا مشتاق تھا، تو پھر میں نے جب وہ رسالہ دیکھا تو اس بات کو محسوس کیا کہ اس میں بھی عُرف کے مسائل کافی

(1)۔العطايا النبوية فى الفتاوى الرضوية، كتاب الوكالة،19/ 599- 593، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(2)۔ جمیل بثینہ، لیلیٰ مجنوں کی طرح عاشق و معشوقہ گزرے ہیں۔ از افادات ملا عبد الواحد حنفی حفظہ اللہ

شافی طور پر تحریر نہیں ہوئے اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا ضابطہ جس سے فُروعات میں ربط پیدا ہو سکے اور ائمہ کے غیر موافق کلمات میں تطبیق دی جاسکے، البتہ اس رسالہ کے مطالعے کی برکت سے (قلبِ فقیر پر) ایسا ضابطہ کھل کر سامنے آیا، جو مسائل عُرف میں کافی وشافی ہے۔ (مہتاب)

(2) رضوی ضابطہ:

ماءِ مطلَق اور ماءِ مقیّد کے تمام جزئیات کو ایک لڑی میں پرونے والا ضابطہ

اس بات پر اجماع ہے کہ مائے مطلق سے وضو ہو جاتا ہے اور مائے مقیّد سے وضو صحیح نہیں ہے اور فقہائے کرام نے مائے مطلق اور مقیّد کے درمیان کئی طرح سے نہ صرف فرق بیان کیا بلکہ اس بارے میں کئی ضابطے بھی وضع کیے لیکن ان میں سے کچھ ضوابط تمام جُزئیات کو جامع نہیں اور بعض اعتراضات واِضطراب سے محفوظ نہیں تھے تو فقیہِ اسلام امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ نے فقہائے عظام کے پیش کردہ تمام ضوابط کو سامنے رکھ کر ایک ایسا ضابطہ اُمّت کو دیا جو تمام جُزئیات کو جامع اور ہر طرح کے اعتراضات واضطراب اور نقد و نظر سے سالم و محفوظ ہے اور یہ وہ تحقیقِ انیق ہے، جو تمام نُصوصِ صحاح اور جملہ اِرشاداتِ مُتون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فُروعِ ممکنہ کے حکم صحیح کو کافی وشافی ہے۔

نیز آپ نے اس بارے میں اوّلاً فقہائے عظام کے وضع کیے ہوئے پانچ ضوابط نقل کیے پھر چھٹا ضابطہ ضبطِ تحریر میں لائے، جسے آپ نے خود وضع کیا ہے اور اس کا نام: ”ضابطہ رُضویہ“ رکھا ہے اور یہ ضابطہ سولہ اجزا پر مشتمل ہے۔

آیئے! اب فقیہ اسلام کے عطا کردہ اس ضابطے کے اصل کلمات ملاحظہ کرتے ہیں:

ششم **ضابطہ رضویہ:** سبحٰن اللہ! فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے حاشا، ضابطہ وہی ضابطہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ باتباع علماء اس کے اجمال کو مفصّل کر دیا ہے۔ تفاصیل میں خدمت گاری کلامِ اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا افاضہ ہوا اُن پر ابتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے احاطہ میں لیا ہے اس نے بیان کو اَظہر واَجمع واَنور واَنفع کرکے ضابطہ کے لئے خلعت جدت سیا ہے۔

فاقول: وباللہ التوفیق:

(۱) دریا نہر چشمے چاہ باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حدِ ذات میں آبِ مطلق ہے جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل ان کے اَوصاف اُن کے نام پر ہو پانی نہیں اُس سے وضو و غسل نہیں ہو سکتا جیسے ماء الجبن دہی کا پانی درختوں پتھروں کا مد مٹی کا تیل سیندھی تاڑی ناریل کدو تربوز کا پانی اگرچہ اس میں صرف پانی ہی ہو یوہیں جو کچھ پتّوں شاخوں پھلوں پھُولوں سے نکالا جائے یا کافور کے درخت انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یا آپ ہی ٹپکے یا نمک نوشادر کافور وغیرہا کے پگھلنے یا سونے چاندی رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

(۲) جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا جیسے اولے یا آسمانی برف یا کل کا جب پگھل جائے) یا تو اُس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اسی کی جنس سے ہو) داخل ہو گی یا نہیں، اگر نہیں تو وہ مطلقاً آبِ مطلق ہے لیکن اگر مائے مستعمل ہے جس کا بیان "الطرس المعدل" میں مفصّل گزرا تو اُس سے وضو و غسل جائز نہیں ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ ملک غیر یا وقف یا

کسی حاجت ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اور عوارض کے سبب جن کا بیان فصل اوّل میں گزرا اُس سے وضو حرام یا مکروہ ہو اگرچہ بچّوں کا ہاتھ پڑنے یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں اَوہام پیدا ہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہو جائے اگرچہ دیر تک بند رہنے سے اُس کا رنگ بُو مزہ بدل جائے یا ابتداء ہی سے بدلا ہوا ہو اگرچہ کسی تیز خوشبو یا بدبو شیئ کے قُرب سے اس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہو جائے، ہاں اگر سردی سے جم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اولے برف اس سے وضو نا جائز ہو گا جب تک پگھل کر پھر اصلی رِقّت پر نہ آجائے۔

(۳) اگر داخل ہو گی تو دو صورتیں ہیں یا تو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی یا خلط ہو جائے گی اگر جُدا رہے (اور یہ نہ ہو گا مگر شیئ جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دیے جائیں) تو اگر وہ شیئ نجس نہیں یا پانی دَہ در دَہ ہے مطلقاً مطلق و قابل وضو ہے اور اگر نجس ہے اور پانی کم تو مطلق ہے مگر لائق استعمال نہ رہے گا۔

(۴) اگر پانی میں خلط ہو گی تو دو صورتیں ہیں وہ ملنے والی شیئ بھی اصل میں صرف پانی ہے یا اس کا غیر اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اب بھی پانی ہی ہے یا نہیں اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلقاً رہے گا ہی اُس سے وضو بھی روا ہو گا مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ آب مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، دوسرے یہ کہ نجس پانی پڑ جائے اور یہ دَہ در دَہ نہ ہو اور یہ وہیں ہو گا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شیئ کے مختلط ہو جانے کے ناپاک ہو گیا جیسے آبِ قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑ گیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا خلط نہ ہوا اور ناپاک ہو گیا ورنہ جو خلط نجس سے نجس ہو اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہو گا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

(۵) اگر وہ ملنے والی شیٔ اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہو گا مگر اولے یا برف میں کل کا ہو خواہ آسانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلط غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رِقّت زائل کر دے قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شیٔ پگھل کر پھر پانی نہ ہو جائے اور اگر رِقّت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رِقّت آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

(۶) اگر وہ شیٔ غیر آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہو گئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

(۷) اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شے نجس ہے یا طاہر اگر نجس ہے اور پانی دَہ در دَہ نہیں یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آگیا تو پانی اگرچہ مطلق رہے قابلِ وضو در کنار بدن میں جائز الاستعمال رہا۔

(۸) اگر وہ دَہ در دَہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط اور احکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

(۹) اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اس کا خلط آگ پر ہوا یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شیٔ جامد ہے تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اِجماع سے اور مائع ہے تو مذہب صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آبِ مطلق ولائق وضو رہے گا اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ پانی رقیق تر ہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رِقّت آب ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و رنگ کی طرح مقصد دیگر کیلئے شیٔ دیگر ہو جائے۔

(۱۰) اگر خلط آگ پر ہوا تو دو صُورتیں ہیں اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصد دیگر کیلئے شے دیگر کر دے پانی سے امتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کر دے اس حالت کے قبل اُتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق و قابلِ وضو ہے۔

(۱۱) اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں پکانے میں صرف پانی مقصود ہے یا صرف وہ شے یا دونوں، پہلی دو صورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ سرد ہو کر زوالِ رقت ہو، صورت دوم کی مثالیں بحث اول طبخ میں شنجرف ونشاستہ وآش جو سے گزریں اور صورت اول کا بیان فصل خامس میں آتا ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۲) صورتِ سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصود دیگر کیلئے ہو سکے گا نہ اُس سے دَلدار ہو گا تو مطلقاً مطلق ولائق طہارت ہے۔

(۱۳) اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہو سکے گا تو جب مقصود دیگر کیلئے ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۱۴) اگر پانی دَلدار ہو سکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہو گیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقاً لائق وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر ہو جائے گا تو دو صورتیں ہیں اگر وہ شے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کیلئے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

(۱۶) اگر زیادتِ نظافت کیلئے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیق انیق کہ جمیع نصوصِ صحاح کو متناول اور جملہ ارشاداتِ متون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فُروعِ ممکنہ کے حکم صحیح کو بعونہٖ تعالٰی کافی وکافل۔والحمدُلله ربّ الغلمین، وأفضل الصّلٰوة وأكمل السّلام على خاتم النّبيين، سيّد المرسلين، وعليهم جميعاً وعلى اٰله وصحبه وابنه وحزبه أجمعين، اٰمين والحمدلله ربّ الغلمين۔[1]

(3)رضوی ضابطہ:

عمدۃ الفقہاعلامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی، متوفی: ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:يعلم من قوله : "وإن صلى ثلاثاً منها أتمّ ثمّ اقتدى متنفّلاً" أن من صلى منفرداً لايؤمر بالإعادة جماعة مع أنهم قالوا : كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التحريم تجب إعادتها۔[2]

یعنی، ماتن علیہ الرّحمہ کے قول:"**اور اگر کسی نمازی نے چار رکعتی فرض نماز کی تین رکعتیں پڑھ لیں تو چار پوری کرلے پھر نفل کی نیّت سے امام کی اقتداء کرے**"سے معلوم ہوا کہ جس نے اکیلے نماز پڑھی اس کو جماعت کے ساتھ اعادے کا حکم نہیں ہوگا حالانکہ فقہائے کرام علیہم الرّحمہ نے فرمایا:"ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اِعادہ واجب ہے۔"

---

(1)۔ العطايا النبوية في الفتاوى الرّضوية: كتاب الطهارة، 3/ 211-216

(2)۔ردالمحتار، كتاب الصّلاة ، باب ادراك الفريضة،2/ 614، تحت قوله: كلّ صلاة ...إلخ، مطبوعة: دارالمعرفة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ ـ ٢٠٠٠م

مذکورہ عبارت کے تحت فقیہِ اعظم امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی، متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: أقول: نعم! قالوا ذلك، وإنما أرادوا أن تكون الصلاة مكروهة تحريماً للاخلال بشيء من واجباتها، لا أن يكون المصلي متلبّساً بكراهة لتركه شيئاً يجب عليه، لا للصلاة۔[1]

یعنی، جی ہاں! فقہائے کرام (علیہم الرحمہ) نے فرمایا ہے: "ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اعادہ واجب ہے۔" اور انہوں نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ نماز کے کسی واجب میں خلل ڈالنے کی وجہ سے نماز مکروہِ تحریمی ہوئی ہو (اس کا اعادہ واجب ہے)، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نمازی نماز کے کسی واجب کے علاوہ فی نفسہ اپنے اُوپر کسی واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے کراہت میں ملوّث ہو (تب بھی اس کی نماز مکروہِ تحریمی ہوگی بلکہ ایسی صورت میں نماز مکروہِ تحریمی وواجب الاعادہ نہیں ہوگی۔)

اور آپ علیہ الرّحمہ "جدّ الممتار" میں ایک اور مقام پر مذکورہ قاعدے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والصحيح أن يقال إن الشيء قد يكون واجباً في نفسه وقد يكون واجباً لغيره، ولا تلازم بينهما كالتقوى واجبة في نفسها لا للامامة، وكالطهارة واجبة للصلاة لا في نفسها، والاعادة إنما تجب لخلل تطرق إلى نفس الفعل، وإنما يكون ذلك للاخلال بشيء من واجباته، أما ما وجب في نفسه ولم يكن من الواجب لذلك الفعل و

---

(1) جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، تحت قوله: منفرداً، 3/ 512، مكتبة المدينة، كراتشي

إن كان من آدابه و مستحباته، فهذا لا يوجب الاعادة قطعاً و الجماعة هكذا تجب و لا تجب للصلاة. . . . كيف تكره مع اشتمالها على واجباتها و سُنَنها جميعاً! نعم المصلّي ملتبس بترك واجب أو سنة، وذمته مشغولة به، وهذا لا يوجب كراهة الصلاة كمن صلى و عليه دين حلّ و هو مماطلّ لا يؤمر باعادتها قطعاً، كذا هذا، و أجلى نظيره من قرء القرآن معكوساً -[1]

یعنی، اور یہ کہنا صحیح ہے کہ چیز کبھی بذاتِ خود واجب ہوتی ہے اور کبھی کسی دوسری چیز کے لئے واجب ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تلازم نہیں ہے جیسا کہ تقویٰ بذاتِ خود واجب ہے لیکن امامت کے لئے واجب نہیں ہے اور جیسے طہارت نماز کے لئے واجب ہے لیکن بذاتِ خود واجب نہیں ہے اور نماز کا اعادہ صرف نفسِ فعل تک پہنچنے والے خلل کے پیدا ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور یہ نماز کے کسی واجب میں خلل پیدا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، بہر حال جو بذاتِ خود واجب ہے اور وہ اس فعل کے لیے واجب نہیں ہے اگرچہ وہ اس کے آداب اور مستحبات میں سے ہے تو یہ چیز یقیناً اعادہ کو واجب نہیں کرتی اور اسی طرح جماعت بھی واجب ہے لیکن نماز کے لئے واجب نہیں ہے۔۔۔(آپ علیہ الرحمہ ایک اور مقام پر علامہ شامی کی مذکورہ عبارت کی طرح ہی ایک عبارت کے تحت لکھتے ہیں:) نماز کیسے مکروہ ہو سکتی ہے حالانکہ نماز اپنے تمام

(1) جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب الصّلاة ، باب ادراك الفريضة، تحت قوله: منفرداً، 3/ 146-47، مكتبة المدينة، كراتشي

واجبات و سُنَن کے ساتھ ادا ہوئی، ہاں! ہاں ضرور جو نمازی واجب یا سنت کو ترک کرنے میں ملوّث ہے (واجب وسنّت کا ترک اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، جیسے داڑھی منڈا نمازی) اور اس کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول ہے، یہ بات نماز کی کراہت کو واجب نہیں کرتی، مثلاً: کسی نے نماز ادا کی اور اس پر واجبُ الاَداء قرض ہے اور وہ ادائیگیِ قرض میں ٹال رہا ہو تو ہر گز اسے نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا جائے گا، ایسے ہی یہ ہے (یعنی، بغیر کسی عذرِ شرعی کے جماعت کو ترک کر کے تنہا نماز ادا کرنے والے کو نماز کے واجب الاعادہ ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔) اور اس کی سب سے واضح نظیر یہ ہے کہ جس نے قرآنِ پاک کو ترتیب کے خلاف پڑھا (اس کی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔)

خلاصہِ کلامِ امام:

ضابطہ واُصول یہ بنا کہ اگر کوئی چیز فی نفسہ واجب ہے لیکن واجباتِ نماز سے نہیں ہے اور نمازی اس واجب کو ترک کرنے میں ملوّث ہے یعنی اس کے ساتھ یہ ترکِ واجب وفسق چمٹا ہوا ہے، تو اس واجب کو ترک کرنے والے کی نماز مکروہِ تحریمی ہو گی نہ واجب الاعادہ بلکہ اس کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی، لہذا جان بوجھ کر اُلٹا قرآن پڑھنا اگرچہ مکروہِ تحریمی ہے، پڑھنے والا گنہگار بھی ہو گا لیکن اس کی نماز واجب الاعادہ نہیں کہ بالترتیب تلاوتِ قرآن واجباتِ نماز سے نہیں ہے۔ اسی طرح قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والا اگرچہ گنہگار ہے لیکن اس کی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے کہ ادائیگیِ قرض واجباتِ نماز سے نہیں ہے۔ اسی طرح بغیر کسی عذرِ شرعی کے ترکِ جماعت کا مرتکب گنہگار ضرور ہے لیکن اس کی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے کہ جماعت واجباتِ

نماز سے نہیں ہے۔ الحمد اللہ یہ امام اہل سنّت کے کلام کی جامع تلخیص ہے۔

درج بالا گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس اُصول: "ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اعادہ واجب ہے۔" کو لے کر یہ حکم باآسانی بیان کیا جاسکتا ہے کہ کس صورت میں نماز کے مکروہِ تحریمی وواجب الاعادہ ہونے کا حکم ہو گا اور کون سی صورت میں نہیں ہو گا۔

أَقولُ و باللہ التَّوفیق :

امامِ اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ کے عطا کردہ اُصول سے بے شمار اَحکام کا اِستنباط کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ایک فقیہ پر مخفی نہیں ہے اور حق بات یہ ہے کہ آپ علیہ الرّحمہ اس اُصول کو ضبطِ تحریر میں لانے میں سابق واوّل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اَعلم بالصّواب۔

یہ چند ضابطے بیان کئے گئے ہیں، اگر امامِ اہلِ سنّت کے وضع کیے ہوئے تمام ضوابط کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے لیکن ہمارا عنوان کچھ اور ہے، لہٰذا اب موضوعِ سخن پر کلام کیا جاتا ہے۔

قارئین کرام!

یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرّحمہ مجتہد فی المسائل ہیں: کیونکہ آپ نے جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں تھی، امام کے اُصولِ مقررہ اور قواعدِ مبسوطہ کے مطابق اجتہاد کر کے ان سے احکام نکالے ہیں اور یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں ہے، جس نے آپ علیہ الرّحمہ کی فقہی تحقیقات کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ (اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی کچھ امثلہ مقالہ ہذا میں پیش کی جائیں گی۔)

طبقاتِ فقہا رحمھم اللہ تعالی کی بابت تبصرہ

تعریفِ فقہ کے بعد اب ہم آپ کے سامنے طبقاتِ فقہا پیش کرتے ہیں، جن کے مطالعہ سے اعلی حضرت علیہ الرّحمہ کا فقہی مقام سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

چنانچہ فقیہِ و محدّث جامع جمیع علوم و فنون علّامہ ابنِ کمال پاشا شمس الدّین احمد رومی علیہ الرّحمہ، متوفی:940ھ، طبقاتِ فقہا کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقہائے کرام کے سات طبقات ہیں:

(1) مجتہدین فی الشرع: یہ وہ ائمہ ہیں جو ان قواعد و اُصول کو خود مقرر کرتے ہیں، جن پر فقہ کی بنیاد ہے اور ان قواعد کے مطابق اَدِلّہ اَربعہ: "کتاب، سنّت، اجماع اور قیاس" سے احکام کو نکالتے ہیں اور اُصول و فُروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے؛ جیسے ائمہ اَربعہ: "امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہم۔"

(2) مجتہدین فی المذہب: یہ وہ ائمہ ہیں جو اپنے استاذ کے مقرر کردہ قواعد کے موافق ادلّہ اَربعہ سے احکام نکالنے پر قدرت رکھتے ہیں اگرچہ ان حضرات نے بعض فروعی احکام میں اپنے استاذ اور امام کی مخالفت کی ہے لیکن اُصول میں ان کی تقلید کرتے ہیں؛ جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم کے دیگر شاگرد رضی اللہ تعالی عنہم۔

(3) مجتہدین فی المسائل: یہ وہ ائمہ ہیں جو اُصول و فُروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کر سکتے لیکن جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی، ان میں امام

کے اُصول مقررہ اور قواعدِ مبسوطہ کے مطابق اجتہاد کر کے احکام نکالتے ہیں؛ جیسے امام خصّاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سَرَخسی، فخر الاسلام بزدوی اور امام فخر الدّین قاضی خان رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(4) اصحابِ تخریج: یہ وہ آئمہ مقلّدین ہیں جن کو اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں ہوتی لیکن اُصولِ مقررہ کا احاطہ ضبط کر لینے کی وجہ سے کسی مجمل قول کی تفصیل اور محتمل قول کا فیصلہ سنانے پر قدرت رکھتے ہیں مگر یہ تفصیل و توجیہ ان کے اجتہاد سے نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی صاحب مذہب یا ان کے اصحاب مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہوتی ہے؛ جیسے امام کرخی اور امام رازی وغیرہ اور "ہدایہ" میں جو بعض مقامات پر آتا ہے: کذافی تخریج الکرخی، کذافی تخریج الھدایہ، یہ اسی قبیل سے ہے۔

(5) اصحابِ ترجیح: یہ وہ ائمہ مقلّدین ہیں، جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دے سکتے ہیں اور ھذا اَصح درایۃ، ھذا اَوضح درایۃ، ھذا اَوفق للقیاس اور ھذا اَولی کہنے کا مادہ رکھتے ہیں؛ جیسے امام ابو الحسین قدوری اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ۔

(6) ممیزین: یہ وہ ائمہ مقلّدین ہیں، جو اَقویٰ، قوی، ضعیف، ظاہر مذہب، ظاہر الرّوایۃ اور نادر الرّوایہ کے درمیان فرق اور تمیز کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ اپنی کُتب میں اقوالِ مَردودہ اور روایاتِ ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے؛ جیسے متاَخرین فقہا میں سے متونِ اربعہ معتبرہ والے صاحبِ کنز، صاحبِ وقایہ اور صاحبِ مجمع۔

(7) محض مقلّدین: یہ وہ ائمہ مقلّدین ہیں، جنھیں اُمورِ مذکورہ میں سے کسی پر قدرت نہیں ہوتی۔ (1)

اور ابنِ کمال پاشا علیہ الرّحمہ کے بعد کثیر مُحقّقین فقہاے کرام نے طبقات کی اس تفصیل کو تسلیم کیا یہاں تک کہ علّامہ ملّا علی قاری اور علّامہ شامی علیہما الرّحمہ جیسے مُحقّقین نے بھی اپنی کُتب میں اسی کو ماخذ بنایا۔

طبقاتِ فقہا کی تعریفات نقل کرنے کے بعد **ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ فقیہِ فقید المثال افقہِ امت امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ والرّضوان تیسرے طبقے میں شامل ہیں اور مجتہد فی المسائل ہیں** اور یہ لفظ آپ پر بدرجۂ اتم صادق آتا ہے کہ جن مسائل میں امام اعظم علیہ الرّحمہ سے روایت موجود نہ تھی، آپ نے اُصول و فُروع میں امام کی اِتباع میں اپنے اجتہاد سے ایسے کئی مسائل کا اِستنباط و استخراج کیا ہے، اُن میں سے چند مسائل کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے، جن کو وضع کرنے کا سہرا امام اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ کے سر ہے۔

نمبر 1:

اُصولیّین مُحقّقین نے کُتبِ اصولِ فقہ میں احکامِ شرعیہ کی **پانچ** قسمیں بیان فرمائی ہیں، بعض نے **سات** اور بعض نے **نو** تک شمار کی ہیں۔

امامِ احمد رضا نے پہلے ہر ایک کی تحقیق کو ذکر فرمایا، پھر ہر ایک پر نقد و

---

(1)۔مجموع رسائل ابنِ کمال باشا،رسالہ: دخول ولد البنت فی الموقوف علی الأولاد، 3/ 121، مطبوعة دار اللُباب للدِّراسات، الطبعة الأولی: 1439ھ۔ 2018 م

اعتراض وارد کیا اور پھر آپ نے احکامِ شرعیہ کی **گیارہ** قسموں پر مشتمل ایک تقسیم بیان کی ہے، جو ہر طرح کے نقد و نظر اور خلل و اعتراض سے پاک اور صاف ہے اور یہی عطرِ تحقیق ہے۔

آیئے! اب آپ یہ حیرت انگیز تحقیق خود اَفقہِ اُمّت امامِ اہلِ سنّت مجتہد فی المسائل علیہ الرّحمہ کے الفاظ میں پڑھیے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجیے:

(اوّلاً سابقہ مُحقّقین کی تحقیقات کو بیان فرمایا:)

مشہور احکام، خمسہ (**پانچ**) ہیں ا واجب، ۲ مندوب، ۳ مکروہ، ۴ حرام، ۵ مباح و بہ بدء فی مسلم الثبوت (اسی کو مسلم الثبوت میں پہلے نمبر پر بیان کیا گیا ہے) یہ مذہب شافعیہ سے اَلیَق ہے کہ اُن کے یہاں واجب و فرض میں فرق نہیں اور اسی کی طرف "مسلّم" میں اس کے بعد مُحقّق ابن الہمام کی "تحریر الاُصول" کی تبعیت میں یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ حنفیہ نے دلیل کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔

اور بعض نے برعایتِ مذہب حنفی فرض وواجب اور حرام ومکروہ تحریمی کو تقسیم میں جُدا جُدا اَخذ کرکے **سات** قرار دیئے و بہ ثنی فی المسلم (اور اسی کو مُسلّم الثبوت میں دوسرے نمبر پر بیان کیا ہے۔)

بعض نے فرض، واجب، سنّت، نفل، حرام، مکروہ، مباح یوں **سات** گنے۔ اسی پر صدر الشریعہ "تنقیح" میں چلے ہیں اور ملّا خُسرَو نے "مرقاۃ الوُصول" میں اور علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری نے "اصول البدائع" میں "تنقیح" کی پیروی کی ہے۔

بعض نے سنت میں سنت ہدی و سنت زائدہ اور مکروہ میں تحریمی و تنزیہی

قسمیں کر کے نو شمار کیے جیسا کہ (علامہ شمس الدّین محمد بن حمزہ) فناری نے آخر کلام میں اس کی صراحت کی ہے اور کلام توضیح میں اس کی جانب اشارہ ہے۔

(ثانیاً سابقہ ہر تحقیق پر نقد و اعتراض وارد فرمایا:)

أقولُ: **(تقسیم مشہور پر پہلا اعتراض:)** تقسیم اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے اَلیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو وقد علمت أنه خلاف التحقيق (تم جان چکے ہو کہ یہ تحقیق کے خلاف ہے۔)

(تقسیم مشہور پر دوسرا اعتراض:) نیز سنّت و مندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی و شافعی کسی کے مطابق نہیں۔

(مُسلّم الثبوت کی عبارت پر دو اعتراضات:) یہی دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں، سوم و چہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ

(تلامُخسرو اور صاحبِ توضیح علیہما الرحمہ پر کلام:) سوم میں جانبِ فعل چار چیزیں ہیں اور جانبِ ترک دو۔

(صاحب شمش الفتاوی کی تحقیق پر نظر)

چہارم میں جانبِ فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین۔

(ان تینوں پر ایک اور اعتراض:) پھر جانب ترک بسط اقسام کرکے تصحیح مقابلہ کیجئے تو اُسی مقابلہ نفل و کراہت سے چارہ نہیں۔

پھر امام احمد رضا نے ہر قسم کے نقد و نظر، اعتراضات اور خلل سے پاک و صاف گیارہ قسموں پر مشتمل تقسیم بیان فرمائی:

بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیقِ فقیر سب خللوں سے پاک ہے، اُس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام **گیارہ** ہیں پانچ جانبِ فعل میں متنازلاً: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت مؤکدہ (۴) غیر مؤکدہ (۵) مستحب اور پانچ جانبِ ترک میں متصاعداً: (۱) خلافِ اَولیٰ (۲) مکروہ تنزیہی (۳) اِساءت (۴) مکروہِ تحریمی (۵) حرام جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص۔

یہ وہ لاجواب اور معرکہ آرا تحقیق ہے، جس کے بارے میں امام اہل سنّت خود فرماتے ہیں: اس تقریرِ منیر کو حِفظ کر لیجئے کہ ان سُطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صد ہا عقدوں کو حل کرے گی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمد اللہ تعالیٰ اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ **اگر حضور سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطرِ مذہب و طرازِ مذہب ہے۔** والحمدُ للہ ربّ العٰلمین۔ (1)

یہاں امام احمد رضا خان کے کلام کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اصل میں جا کر دیکھیے، کئی صفحات پر مشتمل اَعلیٰ درجے کی تحقیق موجود ہے، پھر ہر صفحے پر دلائل کے

(1)۔ مُلخّص از فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، 1/908-909

انبار اور قطار اندر قطار حوالے نظر آئیں گے اور یہ دیکھ کر ہر مُنصِف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بیشک امام احمد رضا خان مجتہد فی المسائل کے درجے پر فائز تھے۔

اس قدر تفصیلی مثال یہاں پیش کرنے کے بعد ہمارا دعوی شمس واَمس سے بھی زیادہ روشن وثابت ہو جاتا ہے مگر قارئین سے گزارش ہے کہ چند شواہد مزید ملاحظہ فرمالیں۔

نمبر2:

امامِ اہلِ سنّت نے تیمم کے بارے میں تین سو گیارہ اَشیا گنوائیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ علیہ الرّحمہ نے

اوّلاً: اُن اشیا کا شمار پیش کیا جن سے امام اعظم علیہ الرّحمہ کے مذہب میں تیمم کرنا جائز ہے، فقہِ حنفی کی تمام کُتب سے ایسی جملہ اشیا کے نام بحوالہ کُتب درج فرمائے جن سے تیمم جائز ہے اور ان کا شمار چوہتر (74) ہے، پھر آپ علیہ الرّحمہ نے اپنے اجتہاد سے امام اعظم کے مذہب پر ایک سو سات (107) اشیا کا شمار اپنی طرف سے بیان فرمایا اور ان اشیا کی گنتی ایک سو اکاسی (181) تک پہنچادی۔

ثانیاً: فقہائے متقدّمین کی کُتب سے ان اشیا کے نام بحوالہ کُتب پیش کیے جس سے تیمم جائز نہیں ہے اور اُن کا شمار اٹھاون (58) ہوا، پھر مجدّدِ مائۂ ماضیہ نے اپنے تفقّہ فی الدّین اور اجتہاد سے امام اعظم علیہ الرّحمہ کے مذہب پر بہتر (72) اشیا اور شامل کر کے ان کی گنتی ایک سو تیس (130) تک پہنچادی اور مجتہد فی المسائل یہی ہوتا ہے کہ امام کے مقرّر کردہ اصولوں کے مطابق اپنے اجتہاد سے مسائل کا استنباط واستخراج کرے۔

لہٰذا جملہ اشیا جن سے تیمم جائز اور جن سے ناجائز، دونوں کی تعداد تین سو

گیارہ ہو گئی۔

قارئین کرام! آپ کو حیرت ہوئی ہو گی کہ اس علومِ شرعیہ کے بحر بیکراں کو اللہ تعالیٰ نے کیسی فقاہت عطا فرمائی ہے کہ ایک طرف تمام متقدّمین فقہا ہیں اور دوسری طرف تنہا فقیہِ فقید المثال ہے، ان تمام کی طرف سے عطا کردہ جملہ اشیا کی تعداد ایک سو بتّیس (132) اور ایک فقیہِ اعظم کی طرف سے زیادات کی تعداد ایک سو اُناسی (179) ہے۔

اب آیئے اس حوالے سے امام اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ کے الفاظ پڑھیے، آپ رقمطراز ہیں: یہ تین سو گیارہ ۳۱۱ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمم جائز جن میں ۷۴ منصوص اور ۱۰۷ زیادات فقیر اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیاداتِ فقیر ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد أوّلاً وآخراً وبہ التوفیق باطناً وظاہراً وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی حبیبہ والہٖ وصحبہ متوافراً متکاثراً آمین.[1]

نمبر3:

جلیل القدر فقہاے متقدّمین کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی سے عجز کی دس بیس یا سب کو یکجا کر دیا جائے تو تیس چالیس صورتوں کا بیان ملے گا لیکن جب امام اہلِ سنّت نے اس حوالے سے تحقیق لکھنا شروع کی تو آپ نے القاے

(1)۔(فتاوی رضویہ، کتاب الطّہارۃ، 3/ 658)

ربانی، فراستِ ایمانی اور اپنے اجتہاد سے امامِ اعظم علیہ الرّحمہ کے مذہب پر پانی سے عجز کی صورتیں گنوائیں تو پونے دو سو تک بیان فرمادیں اور اس شان کے مالک کو مجتہد فی المسائل ہی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ امامِ اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ صُوَرِ مذکورہ کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فأَقولُ و باللہ التَّوفیق: پانی سے عجز کی 175 صورتیں ہیں....إلخ

امامِ اہلِ سنّت نے اِن صورتوں کے بیان میں ایک سو بتّیس (132) صفحات پر مشتمل تحقیقی اور جامع کلام کیا اور اس تحقیقِ انیق میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اس سے جو آپ کی علمیّت ثابت ہوتی ہے، اس لحاظ سے ہر مُنصِف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بے شک امام احمد رضا خان، مرکزِ دائرۂ تحقیق اور اہلِ سنّت کے امام ہیں۔

پھر تمام صورتیں بیان کرنے کے بعد آپ خود لکھتے ہیں:

الحمدللہ یہ پانی سے عجز کی پونے دو سو صورتیں **اس رسالہ کے خواص سے ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گی** اگرچہ جو کچھ ہے علمائے کرام ہی کا فیض ہے۔

ع: اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

(اے بادِ صبا! یہ سب تیرا ہی لایا ہوا ہے۔)

رحمة اللہ علیهم أجمعین وعلینا بهم أبد الآبدین یا أرحم الرّاحمین. آمین والحمدللہ ربّ الغلمین وأفضل الصّلاة والسّلام علی سید المرسلین وآله وصحبه وابنه وحزبه أجمعین.[1]

(1)۔ فتاوی رضویہ، کتاب الطہارۃ، بیان التیمم، 3/411-542

نمبر4:

علامہ علاء الدّین حصکفی حنفی علیہ الرّحمہ "در مختار" میں اعتکاف کی قسموں کے بیان میں لکھتے ہیں :

لو شرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك.(1)

یعنی، اگر اعتکاف کی نذر مانتے وقت کسی بیمار کی عیادت، نمازِ جنازہ کی شرکت اور کسی مجلسِ علم میں حاضری کے لئے (مسجد سے) باہر نکلنے کی شرط لگادی تو یہ جائز ہے۔

اس کے تحت اَفقہِ اُمّت امامِ اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ "جدّ الممتار" میں ایک مسئلہ کا استخراج و استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:أقولُ: انظر هل الاعتكاف المسنون فی هذا الحكم مثل الواجب ؟ و الذی يظهر لی الفرق بينهما فإنّ الواجب إنّما يجب بإيجابه، فلا يجب إلّا قدر ما أوجب، أمّا المسنون فلا يتأدّى إلّا باتّباع المسنون و الإتيان به على الوجه المعروف من صاحب السنّة صلّى الله تعالى عليه و سلّم، و هو صلّى الله تعالى عليه وسلّم لَم يكن يخرج من اعتكافه إلّا لِمَا مرّ من الحاجة، فالظاهر أن لو استثنى ينزل الاعتكافُ من المسنون إلى النفل المحض . والله تعالى أعلم.[2]

یعنی، میں کہتا ہوں: غور کیجئے ! کیا اس حکم میں اعتکافِ مسنون[3] بھی واجب[4] ہی

(1)۔الدر المختار، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، 3/ 506

(2)۔جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مقوله: 2199 , 4/ 295

(3)۔جو اعتکاف رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، وہ مسنون ہے۔ از نعیمی

(4)۔ جو نذر کے سبب ہوتا ہے، وہ واجب ہے۔ از نعیمی

کی طرح ہے؟ میرے نزدیک یہ ہے کہ دونوں کا الگ الگ حکم ہے؛ کیونکہ واجب تو خود اس کے واجب کرنے سے ہی واجب ہوتا ہے، لہٰذا وہ جتنا واجب کرے گا اسی قدر واجب ہوگا، بہر حال اعتکافِ مسنون تو سنت کی پیروی اور صاحبِ سنت ﷺ سے ثابت شُدہ معروف طریقے پر بجالانے سے ہی ادا ہوگا اور حضورِ اقدس ﷺ اعتکاف سے باہر صرف ان ہی ضروریات کے لئے جاتے تھے جن کا ذکر گزر چکا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اگر اعتکافِ مسنون میں اس طرح کا استثنا کیا جائے گا تو اعتکافِ مسنون محض نفلی اعتکاف ہو جائے گا۔

امامِ اہلِ سنّت کے کلام سے ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے اعتکافِ مسنون میں کسی بیمار کی عیادت، نمازِ جنازہ میں شرکت اور کسی علمی مجلس میں حاضری کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی شرط کر دی تو اعتکافِ مسنون، محض اعتکافِ نفل ہو کر رہ جائے گا۔

نمبر5:

سراجُ الفقہا علامہ تُمُرتاشی اور عُمدۃُ الفقہا علامہ علائی علیہما الرّحمہ رقم طراز ہیں:

حرم بالمصاحرة بنت زوجته الموطوءة و أمّ زوجته.[1]

یعنی، مصاہرت کے سبب اس کی موطوءہ زوجہ کی بیٹی اور اس کی زوجہ کی ماں حرام ہے۔

اس پر "جدّ الممتار" میں امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ نے بڑے اختصار کے ساتھ ایک مسئلہ تحریر فرمایا، جو آپ نے اپنے اجتہاد سے امام کے مقرر کردہ اصولوں کے

[1] الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات، 4/ 110

مطابق استنباط و استخراج کیا ہے ، آپ فرماتے ہیں :"وسُئلت عن زوجة أبي الزّوجة ، فأفتيت بالحِلّ، لأن إسم الأم لايتنا ولها۔[1]

یعنی، مجھ سے سوال ہوا کہ زوجہ کے باپ کی دوسری زوجہ (سوتیلی ساس) سے نکاح ہوسکتا ہے؟میں نے فتویٰ دیا کہ ہوسکتا ہے؛ کیونکہ لفظ اُم(ماں) سوتیلی ساس کے لیے نہیں بولا جاتا۔

یعنی قرآنِ کریم کے اندر محرّمات میں "اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ "(تمہاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں) بیان ہوا ہے اور بیوی کی ماں کے علاوہ سُسر کی دوسری زوجہ بیوی کی ماں نہیں اس لئے وہ محرمات میں داخل نہیں۔

قارئینِ کرام! آیئے اس مختصر اور جامع فتوے کی دلائل کے ساتھ وضاحت خود امامِ اہلِ سنّت کے کلام سے پڑھئے:

چنانچہ آپ سے سوال ہوا:" زید کو بکر کی بیٹی بیاہی ہے اور بکر نے دوسری عورت سے نکاح کیا، بعدہ بکر مر گیا، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی سوتیلی خوشدامن (ساس) سے نکاح کرے، یہ نکاح موافق حاشیہ عینی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زن مذکورہ قولہ تعالیٰ: اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ "میں داخل ہے یا نہیں؟"

آپ نے جواباً فرمایا: نکاح مذکور بیشک جائز ہے۔ قال اللہ عزوجل: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [البقرۃ:۴/۲۴] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔) علماء قاطبۃ

[1] جدالممتار، باب المحرمات، 4/ 438

متون وشروح وفتاوٰی میں محرمات صہریہ زوجاتِ اُصول وفُروع، اُصول وفُروعِ زوجات بتاتے ہیں نہ زوجہ اُصول زوجہ و عدم الذکر فی أمثال المقام ذکر العدم کما لایخفی (ایسے مقام میں ذکر نہ ہونا گویا نہ ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔) اور سوتیلی ماں لفظ امہات میں ہر گز داخل نہیں، ورنہ آیۃ تحریم میں حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ [البقرۃ: ۴/۲۳] (تم پر تمھاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔) کے بعد وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ [البقرۃ: ۴/۲۲] (جن سے تمھارے آباء نے نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو۔) کیونکر فرمایا جاتا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں، اگر سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں۔[1]

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں اَفقہِ اُمّت اور مسائل میں اِجتہاد کی اعلیٰ درجے کی صلاحیت رکھنے والا کہ کس طرح اُصولِ شرع سے ایک پیچیدہ مسئلے کا استخراج کیا۔ وللہ الحمد.

نمبر6:

علامہ علاءُالدّین حصکفی، حنفی علیہ الرّحمہ لکھتے ہیں: وملحق بها [أی: دار الحرب] كالبحر الملح[2].

یعنی، یہ دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے جیسے بحرِ ملح (سمندر)۔

یہاں سمندر کو دارالحرب سے ملحق قرار دیا گیا ہے۔

(1)۔ فتاوٰی رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، 11/ 312

(2)۔ الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، 4/ 359

اس کے تحت علامہ شامی علیہ الرّحمہ "النہر الفائق" کے حوالے سے اس کی وجہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال في النّهر: و ينبغي أن يكون ما ليس بدار الحرب ولا إسلام ملحقاً بدار الحرب كالبحر الملح لأنه لا قهرَ لأحدٍ عليه[1]

یعنی، "نہر الفائق شرح کنز الدقائق "میں ہے: جو دار الحرب اور دار الاسلام[2] کسی کے تصرّف میں نہیں ہے، اُسے دار الحرب سے ملحق ہونا چاہئے؛ کیونکہ وہ کسی کے زیر نگرانی نہیں ہے۔

جب وہ کسی کے زیرِ نگیں نہیں تو سلطنتِ اسلامیہ کے تصرّف سے بھی باہر ہے۔

کیا دورِ جدید میں بھی اسے دار الحرب سے ہی ملحق قرار دیا جائے گا؟

امام احمد رضا خان علیہ الرّحمہ نے اس مسئلہ کا استخراج و استنباط کیا نیز دلیل بھی بیان فرمائی۔

چنانچہ آپ علیہ الرّحمہ "جدّ الممتار" میں فرماتے ہیں: أقول: الآن قد تقاسم الملوك البحار ولا تجری السُّفُن فی بحر أحدٍ منهم بدون إذنه فثبت

---

(1)۔رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، 4/ 359

(2)۔دار الاسلام وہ جگہ ہے جہاں اسلامی احکام غالب ہوں اور دار الحرب وہ ہے جہاں کفر کی قوت و نگرانی غالب ہو۔

چنانچہ شمس الائمہ سرخسی حنفی، متوفی ۴۹۰ھ رقم طراز ہیں: کل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة فی ذالك الموضع للمشركين فكانت دار حرب ، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الاسلام فالقوة فيه للمسلمين۔(المبسوط للسرخسی ، كتاب السير ، باب المرتدين ، ١٠/ ١١٤ ، مطبوعة: دار المعرفة بيروت)یعنی، ہر وہ جگہ جہاں شرک کا حکم ظاہر و غالب ہو، اس جگہ میں تصرّف اور قوت مشرکین کی ہو گی اور وہ دار الحرب ہو گی اور جس جگہ اسلام کا حکم غالب ہو تو قوت و سلطنت مسلمانوں کی ہو گی۔(مہتاب)

القهر؛ إذ ليس على الأرض أيضاً إلّا بهذا المعنى.[1]

میں کہتا ہوں: اس وقت بادشاہوں نے سمندروں کو باہم تقسیم کرلیا ہے اور ایک کے سمندر میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کی کشتیاں نہیں چل سکتیں، لہذا اب تصرّف و نگرانی ثابت ہے؛ کیونکہ زمین پر بھی تصرّف اسی معنی میں ہوتا ہے۔

تو اب بحر کو دارُ الحرب سے ملحق قرار دینے کی وجہ باقی نہ رہی بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ سمندر دارُ الاِسلام یا دارُ الحرب کس کے زیرِ نگرانی ہے، جس کے زیرِ تصرّف ہو اسی سے ملحق ہوگا۔

اللہ اکبر! اس طرح کے نوپید مسائل کا استخراج و استنباط کرنا مُجتہد فی المسائل ہی کی شان ہے۔

نمبر7:

علامہ علائی علیہ الرّحمہ لکھتے ہیں: لا تطلّق بها قضاءً إلاّ بنيّة أو دلالة الحال.[2]

قضاءً کنایات سے نیت یا دلالتِ حال کے وقت ہی طلاق واقع ہوگی۔

اس کے تحت امامِ اہلِ سنّت علیہ الرّحمہ لکھتے ہیں: قلتُ: أو دلالة القال أعني: قرينة لفظيّة تدلّ على أنّ المراد الطلاق، فإنّ دلالة القال أقوى من دلالة الحال.[3]

---

(1)۔جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مقوله: 2756، 4/ 640

(2)۔الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، ٢/ ٤٦٣

(3)۔جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مقوله: 2918، 5/ 78

یعنی، میں کہتا ہوں: یا دلالتِ قال کے وقت کنایات سے طلاق واقع ہو گی؛ کیونکہ دلالتِ قال، دلالتِ حال سے زیادہ قوی ہے اور دلالتِ قال سے مراد یہ ہے کہ کوئی لفظی قرینہ جو یہ بتادے کہ طلاق ہی مراد ہے۔

قارئین کرام! دیکھئے فقہائے متقدّمین اس مقام پر صرف **نیت یا دلالتِ حال** کی قید کے ساتھ یہ مسئلہ لکھتے ہیں لیکن افقہِ امّت اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربّ العزت نے اس کے ساتھ **دلالتِ قال** کو بھی شامل کیا ہے۔

نمبر 8:

اُصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استخراج کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اصل کے تحت کثیر جزئیات پیش کر دینا، یہ مجتہد فی المسائل کی شان ہے اور یہ دونوں باتیں امام احمد رضا قدّس سرّہ کی ذات میں بدرجہ اُتم پائی جاتی ہیں۔ آپ علیہ الرّحمہ کا کمال یہ تھا کہ ایک اصل کے تحت بہت سے جزئیات بھی جمع کرتے ہیں اور اُصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استخراج بھی کرتے ہیں۔

آیئے! آپ کی مایہ ناز تصنیف: "جدّ الممتار" سے ان دونوں باتوں کی جامع ایک مثال آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے، جس سے آپ کے دونوں کمال ظاہر وباہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ "درِّ مختار" میں ہے: (والنذر) من اعتكاف أو حجّ أو صلاة أو صيام أو غيرها (غير المعلّق) ولو معيناً (لا يختصّ بزمانٍ ومكانٍ ودرهمٍ وفقيرٍ) فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدّرهم على

فلانٍ فخالف جاز-[1]

یعنی، اعتکاف، حج، نماز، روزے وغیرہ کی نذرِ غیر مُعلّق اگرچہ معیّن ہو، کسی وقت، مقام، درہم اور فقیر سے خاص نہیں ہوتی اگر نذر مانی کہ جمعہ کے دن، مکہ کے اندر، یہ درہم فلاں پر صدقہ کرے گا پھر اس کے برخلاف کیا تو بھی جائز ہے۔

اس کے تحت "ردّالمحتار" میں ہے :(قوله: فخالف) أي في بعضها أو كلّها بأن تصدّق في يوم الجمعة ببلد آخر بدرهم آخر على شخص آخر، وإنما جاز لأن الداخل تحت النذر ما هو قُربةٌ، و هو أصل التصدّق دون التعيين فبطل التعيين، ولزمته القربة كما في الدّرر-[2]

یعنی، شارح کا قول: "پھر اس کے برخلاف کیا" یعنی بعض اُمور میں یا سبھی میں۔ اس طرح کہ جمعہ کے دن، کسی دوسرے شہر میں، کوئی دوسرا درہم، کسی دوسرے شخص کو صدقہ میں دیا۔ اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نذر کے تحت وہی عمل داخل ہوتا ہے جو قربت ہو، یہ عمل اصل تصدُّق ہے، تعیین نہیں، تو تعیین باطل ہو گئی اور قربت لازم رہی جیسا کہ "دُرَر" میں ہے۔

اس اصل پر امام احمد رضا علیہ الرّحمہ نے "جدّ الممتار" میں اوّلاً پندرہ (15) جزئیات فراہم کیے، ملاحظہ ہوں، لکھتے ہیں: هذه فائدةٌ نفيسةٌ و سيأتي آنفاً: أن لو قدّم حجاً أو صوماً أو صلاةً على وقت نذر إيقاعه فيه صحّ و لغا التعين، قال (لأن التعين ليس قربة مقصودة حتّى يلزم بالنذر) إهـ.

---

(1)۔ الدرالمختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحہ، 2/ 126

(2)۔ ردالمحتار، أیضاً

وعليه رأيت تتفرّع الفروع

یہ ایک عمدہ و نفیس فائدہ ہے۔ آگے بھی یہ مسئلہ آرہا ہے کہ جس وقت حج یا روزہ یا نماز ادا کرنے کی نذر مانی تھی اس وقت سے پہلے ادائیگی کرلی تو درست ہے اور تعیین بے اثر ہے اس لئے کہ وقت وغیرہ کی تعیین کوئی قُربت مقصود نہیں کہ وہ نذر سے لازم ہو۔ اھ۔

میں نے دیکھا کہ اس اصل کے تحت بہت سے جزئیات متفرع ہوتے ہیں۔

(1) ففی "الهندية": أوجب أن يتصدّق غداً بدراهم فتصدّق بها اليوم أجزأه في قولهم، حاوي القدسي."

یعنی، "ہندیہ" میں ہے:۔ اپنے اوپر واجب کیا کہ کل چند درہم صدقہ کرے گا پھر آج ہی صدقہ کردیا تو ان حضرات کے نزدیک کافی ہے۔" (حاوی القدسی)

(2) إن نجوت من هذا الغمّ فعليّ أن أتصدّق بعشرة دراهم خبزاً فصدّق بعين الخبز أو بثمنه يجزيه، "خانية"؛ لأنّ القربة التصدّق، و تعيين الخبز ليس قربة مقصودة.

یعنی، اگر اس پریشانی سے مجھے نجات مل گئی تو میرے ذمہ دس درہم کی روٹیاں خیرات کرنا ہے۔ اس صورت میں خود روٹی یا اس کی قیمت کوئی بھی صدقہ کردے کافی ہے (خانیہ)؛ اس لئے کہ قُربت صدقے کا عمل ہے، روٹی کی تعیین قُربتِ مقصودہ نہیں۔

(3) ثمّ قال: مالي صدقة لكلّ مسكين درهم فدفع الألف إلى مسكين واحد جاز، "خانية"؛ لأنّ التفريق ليس قربة مقصودة.

یعنی، پھر کہا: میرا مال صدقہ ہے اس طرح کہ ہر مسکین کو ایک درہم پھر ہزار درہم ایک ہی مسکین کو دیدے تو بھی جائز ہے۔(خانیہ)؛اس لئے کہ تفریق قُربتِ مقصودہ نہیں۔

(4)قال: لله علیٰ أطعم هذا المسکین هذا الطعام فأطعم هذا الطعام مسکیناً آخر أجزأه، "محیط"؛ لأنّ تعیین هذا المسکین لیس قربة مقصودة.

یعنی، یوں کہا کہ: خدا کے لئے میرے ذمہ اس مسکین کو یہ کھانا کھلانا ہے۔ پھر وہ کھانا کسی دوسرے مسکین کو کھلا دیا تو کافی ہے۔(محیط)؛اس لئے کہ اس مسکین کی تعیین کوئی قُربتِ مقصودہ نہیں۔

(5) نذر بالتصدّق علی ألف مسکین فتصدّق علی مسکین بالقدر الذی ألزم یخرج عن العهدة، "تاتارخانیة" عن "الحجة"

یعنی، ہزار مسکینوں پر صدقہ کرنے کی نذر مانی، پھر جتنی مقدار لازم کی تھی سب ایک ہی مسکین پر صدقہ کردی تو عہدہ بر آ ہو جائے گا۔(تاتارخانیہ بحوالہ الحجۃ)

(6) لله علیٰ أن أذبح جزوراً و أتصدّق بلحمه فذبح مکانه سبع شیاه جاز، "خلاصة"؛ لأنّ دم الجزور وسبع شیاه سواء فی القربة.

یعنی، کہا: خدا کے لئے میرے ذمہ ایک اونٹ ذبح کرنا اور اس کا گوشت صدقہ کرنا ہے۔ پھر اس کی جگہ سات بکریاں ذبح کیں تو جائز ہے۔(خلاصہ)؛اس لئے کہ ایک اونٹ اور سات بکریوں کی قربانی قُربت میں دونوں برابر ہیں۔

(7) نذر بعتق عبده بعینه لا یجزیه أن یتصدّق بقیمته أو ثمنه، (محیط)

یعنی، اپنے معین غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانی تو اس کی قیمت یا دام صدقہ کرنا کفایت نہ کر سکے گا۔ (محیط)

(8) وفی وصایا "الهندية" و فی "المنح": (رجل قال: هذه البقرة لفلانٍ قال أبو نصر رحمه الله تعالى: ليس للورثة أن يعطوه قيمتها ولو قال: هی للمساكين جاز لهم أن يتصدّقوا بقيمتها، و به أخذ الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى، "الخانية"

یعنی، "ہندیہ" "کتاب الوصایا اور "منح الغفار" میں ہے: کسی نے کہا: یہ گائے فلاں کے لئے ہے۔ ابو نصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ورثہ کو اختیار نہیں کہ اس شخص کو گائے کی قیمت دے دیں اور اگر یوں کہتا کہ یہ گائے مسکینوں کے لئے ہے تو ورثہ کے لئے اس کی قیمت تصدّق کر دینا جائز ہوتا۔ اسی کو فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (خانیہ)

(9) و فيها قبيل باب الوصيّ أوصى أن يتصدّق عنه بألف درهم فتصدقوا عنه بالحنطة أو على العكس قا ل ابن مقاتل: يجوز. قال الفقيه أبو الليث: معناه أوصى أن يتصدّق عنه بألف درهم حنطة لكن سقط ذلك عن السّؤال، قيل له: فإن كانت الحنطة موجودةفأعطى قيمة الحنطة دراهم، قال: أرجو أن يجوز، وإن أوصى بالدراهم فأعطى حنطة لَم يجز. و قال الفقيه أبو الليث: وقد قيل: يجوز، وبه نأخذ، "خانية". قلت: فظهر أن تأويل الفقيه ما عن ابن مقاتل كان؛لأن مذهبه التعيّن لو أوصى بالدراهم لايجوز تبديلها بالحنطة فأوّل ما عنه بأن كلامه فيما أوصى بألف درهم حنطة،أمّا على المفتى به فلا تعيين.

یعنی، اسی میں باب الوصی سے ذرا پہلے ہے: یہ وصیت کی کہ اس کی جانب سے ہزار درہم صدقہ کیا جائے تو اس کی جانب سے گیہوں صدقہ کر دیا یا برعکس معاملہ ہوا، ابن مقاتل نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ہزار درہم کا گیہوں صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی لیکن سوال میں یہ لفظ چھوٹ گیا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ اگر گیہوں موجود ہو اور گیہوں کی قیمت درہم کی شکل میں دے دی تو کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ جائز ہو گا اور اگر دراہم دینے کی وصیت کی تھی، پھر گیہوں دے دیا تو جائز نہ ہو گا۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا: ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (خانیہ)، (امام احمد رضا فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: اس سے ظاہر ہوا کہ فقیہ ابو اللیث نے روایت ابنِ مقاتل کی جو تاویل فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ ابنِ مقاتل کا موقف یہ ہے کہ ہزار درہم کہنے سے وہی متعین ہو جاتا ہے اگر دراہم کی وصیت کی تو ان کے بدلے گیہوں دینا جائز نہیں۔ اس لئے ان سے جو کلام مروی تھا اس کی یہ تاویل فرمائی کہ یہ اس صورت میں ہے جب ہزار درہم کا گیہوں دینے کی وصیت کی ہو لیکن مفتیٰ بہ مذہب پر تعیین نہیں ہوتی۔

(10) ثُمّ ذکر أوصی أن یباع ھذا العبد و یتصدّق بثمنه علی المساکین جاز لھم أن یتصدّقوا بنفس العبد. یعنی، پھر ذکر ہے کہ یہ وصیت کی کہ اس غلام کو فروخت کر کے اس کا دام مسکینوں پر صدقہ کر دیا جائے تو ان کے لئے خود غلام کو صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

(11) ولو قال: اشتر عشرۃ أثوابٍ و تصدّق بھا فاشتری الوصیّ، له أن یبیعھا و یتصدّق بثمنھا. یعنی، اگر کہا کہ دس کپڑے خرید کر انہیں صدقہ کر دینا، وصی نے دس کپڑے خرید لئے، اسے اختیار ہے کہ ان کپڑوں کو بیچ کر ان کی

قیمت صدقہ کردے۔

(12) و عن محمّد: لو أوصی بصدقة ألف درهم بعینها فتصدّق الوصیّ مکانها من مال المیّت جاز. یعنی، امام محمد سے مروی ہے: اگر ہزار معین درہم صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی، وصی نے اس کے بدلے دوسرے درہم میت کے مال سے صدقہ کردیئے جائز ہے۔

(13) أوصی أن یتصدّق بشیء من ماله علی فقراء الحاجّ یجوز أن یتصدّق علی غیرهم من الفقراء. یعنی، یہ وصیت کی کہ اس کا کچھ مال فقرائے حُجاج پر صدقہ کردیا جائے تو دوسرے فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

(14) عن أبی یوسف: أوصی أن یتصدّق علی فقراء "مکة" یجوز لغیرهم وعلیه الفتوی. یعنی، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ فقرائے مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی تو دوسرے فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(15) و فی "النوازل": أوصی أن یتصدّق فی عشرة أیّام فتصدّق فی یوم جاز "خلاصة".[1]

یعنی، نوازل میں ہے: دس دنوں میں صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی، ایک ہی دن میں صدقہ کرڈالا تو جائز ہے۔ (خلاصہ)

محترم قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک اصل اور قاعدے کے تحت پندرہ جزئیات ذکر کرکے ہر ایک کا حوالہ بھی دیا، نیز بعض کی علّت بھی بیان فرمائی ہے۔ اور بحث ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ امام احمد رضا نے مزید جزئیات دیکھے جو بظاہر اس

---

(1)۔جدّ الممتار، فصل فی العوارض، تحت قوله: لزمته القربة، 4 / 275 - 277

قاعدے سے متعارض و مخالف تھے، انہیں ذکر کر کے ان کا جواب بھی سپردِ قرطاس فرمایا، امام لکھتے ہیں:

(1) أما فی أیمان "الهندية": لله علیّ أن أطعم عشرة مساكين و لَم يسمّ مقدار الطعام فأطعم خمسة لَم يجز، "محيط". فأقول: وجهه ظاهر لأنه إذا لَم يقدّر تقدّر بعدد المطعم عليهم، وما يطعم خمسة ليس كما يطعم عشرة فلم يوف بما نذر.

یعنی، (ذہن میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) ہندیہ کتاب الایمان میں ہے: یہ کہا کہ خدا کے لئے میرے ذمہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور کھانے کی مقدار نہ بیان کی۔ پھر پانچ مسکینوں کو کھانا کھلایا تو یہ کافی نہیں۔ (محیط)

(اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں: اس کی وجہ ظاہر ہے؛ کیونکہ جب اس نے کھانے کی مقدار متعین نہ کی تو اس کی مقدار اُن افراد کی تعداد سے متعین ہوگی جنہیں کھانا کھلایا جائے گا جتنی مقدار پانچ آدمیوں کو کھلائے گا یہ وہ مقدار نہیں جو دس کو کھلائے گا جو نذر مانی تھی وہ پوری نہ کی۔

(2) أمّا فیها عنه: لله علیّ أن أطعم هذا المسكين شيئاً و لَم يعيّن ذلك فلا بدّ أن يطعم ذلك المسكين فوجهه ما سينقل المحشیّ عن "البدائع": أنه إذا لَم يعيّن المنذور صار مقصوداً، فلا يجوز أن يعطی غيره. إهـ.

یعنی، "ہندیہ" ہی میں "محیط" سے منقول ہے: یہ کہا کہ خدا کے لئے میرے ذمہ اس مسکین کو کچھ کھلانا ہے اس چیز کی تعیین نہ کی تو ضروری ہے کہ اسی مسکین کو کھلائے۔ اس کی وجہ وہ ہے جو حضرت محشّی "بدائع" کے حوالے سے آگے نقل کر رہے ہیں کہ جب اس نے منذور کی تعیین نہ کی تو فقیر کی تعیین مقصود ہوگی اس لئے دوسرے کو دینا جائز نہیں۔

(3) أمّا أن لو نذر هدياً لَم يجز إلّا بالغ "الكعبة" أو أضحيّة لَم تجز

إلّا فى النحر؛فذلك لأنّ كلاً منهاـ كما يأتى للمحشّى فى الأيمان ص١٠٨ـ: اسم لخاصّ معيّن، فالهدى ما يهده للحرم" و الأضحيّة ما يذبح فى أيّامها، حتىّ لو لَم يكن كذلك لَم يوجد الاسم هـ. و أحال بيانه على باب اليمين فى البيع و لَم يزد، حاصله هنالك ص:١٩٨ إلا على ما ذكر هاهنا.

أقولُ: فى تمامية هذا التعليل قلق،فإنّ عدم وجدان الاسم متحقّق فيما إذا نذر التصدّق بدراهم فتصدّق بالخبز أو عكس، والثانى أن يقال:إنّما يتعلّق بما هى قربة مقصودة فى الشّرع، فإذا نذر الهدى أو الأضحيّة و قد خصّهما الشرع بزمان و مكان حتّى لو خرجا عنهما لَم يكونا تلك القربة المقصودة شرعاً فمن جزاء هذا يتعيّن فيهما الزمان و المكان بخلاف التصدّق على فقراء الحرم فافهم.[1]

یعنی، (اب یہ اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ) اگر ہدی کی نذر مانی تو وہی ہدی لازم ہے جو کعبہ تک جائے یا قربانی کی نذر مانی تو وہی قربانی لازم ہے جو ایامِ نحر میں ہو۔ اس کی وجہ حضرت محشی (علامہ شامی) نے کتاب الایمان، ص۱۰۸، پر یہ لکھی ہے کہ ہدی اور قربانی ایک خاص اور معین چیز کا نام ہے۔ ہدی وہ ہے جو حرم کو ہدیہ کی جائے اور قربانی وہ ہے جو قربانی کے دنوں میں ذبح ہو۔ اگر یوں نہ ہو تو ہدی و قربانی کا نام ہی متحقق نہ ہو گا۔

(اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں: اس تعلیل کے تام ہونے میں تردد ہے۔ اس لئے کہ نام کا نہ پایا جانا تو اس صورت میں بھی متحقق ہے جب دراہم صدقہ کرنے کی نذر مانی پھر روٹی صدقہ کر دی یا اس کے برعکس کیا۔ دوسری تعلیل یہ ہے کہ جوابًا یہ کہا جائے کہ

---

(1)۔جدّ الممتار، فصل فى العوارض، تحت قوله: لزمته القربة، 4 / 277 - 278

نذر کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے جو شریعت میں قُربتِ مقصودہ ہو تو جب ہدی یا قربانی کی نذر مانی اور ان دونوں کو شریعت نے ایک ایسے وقت اور ایک ایسی جگہ سے مخصوص کر رکھا ہے کہ اگر اس سے باہر ہوں تو شرعاً وہ قُربتِ مقصودہ ہی قرار نہ پائیں تو اسی کا نتیجہ ہے کہ ان دونوں میں وقت اور جگہ کی تعیین ہو جاتی ہے اور فقرائے حرم پر تصدّق کی نذر کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ فافہم

ناظرین کی حیرت بڑھ گئی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرّحمہ کو کیسی فقاہت عطا فرمائی ہے۔

بلکہ امام کی تحقیق ابھی باقی ہے۔

اب دیکھئے امام اجل افقہِ اُمّت نے اس قاعدے کی روشنی میں مزید نئے جزئیات کا استنباط و استخراج بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:

أقول: وظهر من هذه البيانات أن لو نذر ذبح بقرته و التصدّق بلحمها لَم يجز أن يتصدّق بعينها، لأنّ الذبح قربة مقصودة بذاتها فكان كما لو نوى عتق عبده عينا لَم يجز أن يتصدّق بقيمته، والله تعالى أعلم.

و يظهر لى أن لو أوصى بمائة للمسجد الفلانى غير المساجد الثلاثة جاز أن يعطى مسجداً آخر لا سيّما إذا كان المسجد الموصى له غنياً وفى غيره حاجة؛ لأنّ التعيين ليس بقربة فلا يلزم،

بخلاف ما لو أوصى لزيدٍ لا يجوز أن يعطى عمرو؛ لأنها للتمليك دون القربة، ولذا للغنى.[1]

(1)۔جدّ الممتار، فصل فی العوارض، تحت قولہ: لزمتہ القربۃ، 4 / 275 - 279

یعنی، میں کہتا ہوں: ان بیانات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ

(1) اگر اپنی گائے کو ذبح کرنے اور اس کا گوشت صدقہ کرنے کی نذر مانی تو خود گائے کو صدقہ کرنا، جائز و کافی نہ ہو گا؛ کیونکہ ذبح بذاتِ خود قُربتِ مقصودہ ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے معین غلام کو آزاد کرنے کی نیت کی تو اس کی قیمت صدقہ کرنا کفایت نہیں کر سکتا۔

(2) میرے نزدیک یہ بھی خوب ظاہر ہے کہ اگر مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی معین مسجد کو سو (روپے) دینے کی وصیّت کی تو کسی دوسری مسجد کو دینا بھی جائز ہے خصوصاً جبکہ وہ مسجد جس کے لئے وصیت کی ہے، اُسے حاجت نہ ہو اور دوسری مسجد کو ضرورت ہو؛ کیونکہ تعیین قُربت نہیں ہے، لہذا یہ لازم بھی نہیں ہو گی۔

(3) اس کے بر خلاف ایک صورت یہ ہے کہ زید کے لئے وصیّت کی تھی تو عمرو کو دینا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ وصیّت تملیک کے لیے ہے، قُربت کے لئے نہیں ہے؛ وصیّت غنی کے لئے بھی جائز ہے۔

محترم قارئین! ایک اصل کے تحت کثیر جُزئیات کی فراہمی، مخالف جُزئیات کا حل اور نئے جُزئیات کا استنباط و استخراج، امام احمد رضا علیہ الرّحمہ کی وسعتِ نظر، قوتِ استنباط، کمالِ فقاہت اور قوتِ اجتہاد کی کھلی دلیل ہے۔

اور یہ چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں، ایسی کئی امثلہ امام احمد رضا علیہ الرّحمہ کی معرکہ آرا کُتب، مثلاً: جدّ الممتار اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ میں موجود ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے اور اگر امام احمد رضا کے استخراج

کیے ہوئے تمام مسائل کو یہاں لکھا جائے تو ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بن جائے، لہذا ہم اپنا موضوعِ سُخن سمیٹنے لگے ہیں۔

مذکورہ اجتہادی مسائل میں پیش کردہ تحقیقاتِ انیقہ کی روشنی میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ **امام احمد رضا** علیہ الرّحمہ **میں طبقاتِ فقہا کے تیسرے طبقہ مجتہد فی المسائل کی تمام تر خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ۔**

چنانچہ اہلِ سنّت کے عظیم عالم قبلہ شرفِ ملّت شیخ الحدیث استاذ العلما علامہ عبد الحکیم شرف قادری قدّس سرّہ العزیز اپنے ایک مضمون میں طبقاتِ فقہا میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و فقہی مقام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ ابن کمال پاشا نے فقہا کے سات طبقے بیان کئے جن میں تیسرا طبقہ "مجتہدین فی المسائل" کا ہے، یہ وہ فقہا ہیں جو اُصول و فروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کا استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، **امام احمد رضا بریلوی کے فتاوٰی اور تحقیقاتِ جلیلہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے میں شامل ہیں**، چنانچہ آپ نے نوٹ کے احکام پر مبسوط رسالہ: " کفل الفقیہ الفاہم " لکھ کر عرب و عجم کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا، اسی طرح انگریزوں کی ایک کمپنی "روسہ" جانوروں کی ہڈیاں جلا کر ان کی راکھ سے شکر صاف کرتی تھی یہ ایک نیا مسئلہ تھا جسے آپ نے اصولِ دینیہ کی روشنی میں بیان کیا، اسی طرح جنسِ ارض کی تہتر (۷۳) قسمیں علمائے متقدّمین نے بیان کی تھیں جن میں آپ نے ایک سو سات (۱۰۷) چیزوں کا اضافہ کیا اور جن چیزوں سے تیمّم نہیں ہو سکتا فقہا متقدّمین نے

سینتالیس(۴۷) چیزیں گنوائی تھیں جبکہ آپ نے ان میں تہتر (۷۳) چیزوں کا اضافہ کیا۔ فتاوٰی رضویہ جلد اوّل کے بارے میں خود فرماتے ہیں: بظاہر اس (پہلی جلد) میں ۱۱۴ فتوے اور ۳۸ رسالے مگر **بحمد اللہ تعالٰی ہزارہا مسائل پر مشتمل ہے جن میں صدہاوہ ہیں کہ اس کتاب کے علاوہ کہیں نہ ملیں گے۔** [1]

نیز امام احمد رضا علیہ الرّحمہ میں مجتہد فی الشرع کی جھلک بھی نظر آتی ہے اور اگر امام احمد رضا، امام اعظم کے دور میں ہوتے تو اپنے شاگردوں میں شامل فرمالیتے اور آپ امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر کی طرح امام کے شاگردِ اعظم ہوتے۔

چنانچہ جب محافظِ کُتُبِ حرم شیخ اسماعیل خلیل مّکی علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا خان کی بعض تصانیف کے چند صفحات کا مطالعہ کیا تو مصنّف کی جلالتِ شان اور عظمت مکان سے متاثر ہو کر فرمایا: واللہ أقول ! و الحق أقول : إنّه لو رآها أبو حنيفة النعمان رحمه الله تعالى لأقرّت عينه و لجَعل مؤلّفه من جملة الأصحاب. [2]

یعنی، اللہ کی قسم! میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں: بلاشبہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان علیہ الرّحمہ آپ کی تحقیقات ملاحظہ فرماتے تو ضرور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور ان کے مصنّف کو ضرور اپنے خاص شاگردوں (امام ابویوسف وغیرہ) میں شامل فرمالیتے۔

(1)۔ مضمون: "امام احمد رضا بریلوی"، مشمولہ فتاوٰی رضویہ، جلد اوّل، ص:۳۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور

(2)۔ الإجازات المتينة لعلماء بكّة و المدينة، صفحه : 32

امام اہلِ سنّت اور مُحقّق عَلَی الاِطلاق

أقولُ و بالله التوفیق : امام کی شان مُحقّق عَلَی الاِطلاق کی طرح ہے کہ کسی نے اُن کو اصحابِ ترجیح سے شمار کیا اور کسی کی تحقیق کے مطابق وہ مجتہد فی المسائل ہیں۔

چنانچہ علامہ شامی علیہ الرّحمہ طبقاتِ فقہا میں مُحقّق عَلَی الاِطلاق کا فقہی مقام بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں: و قدمنا غیر مرّةٍ أن الكمال من أهل الترجيح كما أفاده في قضاء البحر، بل صرح بعض معاصريه بأنه من أهل الاجتهاد.[1]

یعنی، ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مُحقّق عَلَی الاِطلاق ابن ہمام اصحابِ ترجیح سے ہیں جیسا کہ صاحب بحر نے کتاب القضاء میں کہا ہے بلکہ ان کے بعض معاصرین (صاحب بحر و نہر) نے کہا کہ ابن ہمام علیہ الرّحمہ اہل اجتہاد سے ہیں، یعنی "مجتہد فی المسائل" ہیں۔

أقولُ: و بالله التوفیق:

بلکہ تحقیق کے میدان میں امام احمد رضا علیہ الرّحمہ، مُحقّق عَلَی الاِطلاق سے فائق نظر آتے ہیں۔

چنانچہ علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: لا بأس أن يقرأ سورة و يعيدها في الثانية، وأن يقرأ في الأولى من محلّ وفي الثانية من آخر ولو من سورة إن كان بينهما آيتان فأكثر. و يكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة..... ولا يكره في

(1)۔ ردّ المحتار، کتاب العتق، باب التدبیر، 5/ 464

النفل شيء من ذلك.[1]

یعنی، اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک ہی سورت دو رکعت میں پڑھے اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے کہ پہلی رکعت میں ایک جگہ سے اور دوسری رکعت میں دوسری جگہ سے پڑھے اگرچہ (دونوں رکعتوں میں) ایک ہی سورت سے پڑھا ہو جب کہ دونوں کے درمیان دو یا دو سے زیادہ آیات کا فاصلہ ہو اور درمیان میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ دینا اور نماز میں الٹی قراءت کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر پہلی رکعت میں قرآن ختم کرے تو دوسری میں سورۂ بقرہ سے پڑھے گا.... اور ان میں سے کوئی بات نفل میں مکروہ نہیں ہے۔

اور علامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی، متوفی ۱۲۵۲ھ مذکورہ عبارت: "ولا يكره في النفل شيء من ذلك" کے تحت مُحقّق عَلَی الاِطلاق امام ابن ہمام علیہ الرّحمہ کا قول نقل فرماتے ہیں: وعندي في هذه الكُلّية نظر؛ فإنه صلّى الله عليه وسلم نهى بلالاً رضي الله عنه عن الانتقال من سورة إلى سورة وقال له: إذا ابتدأت سورة فأتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في التهجد.[2]

یعنی، مجھے اس کُلیہ پر اعتراض ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو نمازِ تہجّد میں ایک سورت (تھوڑی پڑھ کر، اس) سے دوسری سورت کی طرف

(1)۔ الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة،، ص:75، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: ١٤٢٣هـ. ٢٠٠٢م

(2)۔ ردّ المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، 1/ 547، مطبوعة: دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى: ١٢٢٣هـ. ٢٠٠٢م

منتقل ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: جب ایک سورت شروع کرو تو اسے اسی طرح مکمل کرو۔

مُحقّق عَلَی الاِطلاق کے قول: ”نهى بلالاً رضي الله عنه“ پر امام اہل سنّت علیہ الرّحمہ لکھتے ہیں: رحم الله المحقق وارحمنا به، لم ينهه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بل صوّب فعله، ففي سنن أبي داود“ عن قتادہ رضي الله تعالى عنه: ”أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج ليلة فإذا هو بأبي بكر يصلي يخفض من صوته، و مرّ بعمر وهو يصلي رافعاً صوته، قال أبو بكر: قد أسمعت من ناجيت يا رسول الله! وقال عمر: أوقظ الوسنان و أطرد الشيطان“ قال أبو داؤد: زاد الحسن [أى: ابن الصباح شيخ أبي داؤد] فى حديثه: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا بكر! ارفع من صوتك شيئا، وقال لعمر: اخفض من صوتك شيئاً، ثم روى أبو داؤد عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه بهذه القصة قال: لم يذكر: فقال لأبي بكر: ارفع شيئاً، ولا لعمر اخفض شيئا، وزاد: وقد سمعتك يا بلال! و أنت تقرأمن هذه السورة و من هذه السورة قال: كلام طيّب يجمعه الله بعضه إلى بعض، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: كُلّكم قد أصاب إھ. وليس فيه ما ذكر المحقق: إذا ابتدأت سورة .... إلخ وإذا قد ثبت قوله ما هو أفضل كإرشاد الصديق إلى أن يرفع شيئاً فلا يقال: الإخفاء مكروه، كذا هذا.[1]

---

(1)۔ جدّ الممتار على ردّ المحتار، كتاب الصّلاة، فصل فى القراءة، 3/ 244، المقولة: 1133،

یعنی، اللہ تعالی مُحقّق عَلَی الاِطلاق پر رحم کرے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحم فرمائے۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو منع نہیں کیا بلکہ ان کے عمل کو درست قرار دیا۔

چنانچہ سُنَنِ ابی داؤد میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور ﷺ ایک رات نکلے اچانک ابو بکر کو اہستہ آواز سے نماز میں قراءت کرتے ہوئے دیکھا اور عمر کے پاس سے گزرے تو وہ بلند آواز سے نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ (جب آپ ﷺ نے دونوں سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو) حضرت ابو بکر نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے اسے سُنا دیا جس سے میں مناجات کر رہا تھا اور حضرت عمر عرض کرنے لگے: میں اونگھنے والے کو جگا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں: میرے شیخ حضرت حسن ابن صباح نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ فرمایا: پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر اپنی آواز ذرا اور بلند کرو اور حضرت عمر سے فرمایا: اپنی آواز تھوڑی آہستہ کرو، پھر امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے یہی قصہ روایت کیا اور فرمایا کہ ابو بکر سے آواز بلند کرنے اور عمر سے آہستہ آواز کرنے کا حکم اس روایت میں نہیں ہے ،ہاں! اس میں یہ اضافہ ہے کہ اے بلال! میں نے تمہیں اس سورت اور اس سورت سے پڑھتے ہوئے سُنا تو حضرت بلال نے عرض کیا: پاکیزہ کلام ہے جسے اللہ تعالی ایک دوسرے کے ساتھ جمع فرماتا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نے ہی درست کیا۔

مطبوعة: مكتبة المدينه، كراتشي، الطبعة الثانية: 1435هـ. 2013م

حدیثِ مذکور میں وہ نہیں ہے جسے مُحقّق عَلَی الاِطلاق نے ذکر کیا: إذا ابتدأت سورة... إلخ، اور اگر ہو بھی تو جب نبی ﷺ کا قول: "تم میں ہر ایک نے ہی درست کیا" ثابت ہے تو مُحقّق عَلَی الاِطلاق کا مذکورہ فرمان: إذا ابتدأت... إلخ، کسی افضل امر کی طرف ارشاد ہی کے طور پر ہو گا جیسے حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر کو آواز ذرا بلند کرنے کا ارشاد فرمایا لہذا جس طرح وہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آواز آہستہ کرنا مکروہ ہے اسی طرح یہاں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف انتقال مکروہ ہے۔

شرح کلامِ امام:

أقولُ و باللہ التّوفیق: امامِ اہلِ سنّت نے مُحقّق عَلَی الاِطلاق کی پیش کردہ حدیث کا

اوّلاً بر سبیلِ انکار جواب دیا کہ جو مُحقّق عَلَی الاِطلاق نے ذکر فرمایا، حدیثِ مبارکہ میں اس کا بیان نہیں ہے اور حدیث مبارکہ میں جو ہے، وہ اوپر بیان ہو چکا، لہذا نفل میں بھی ایک سورت سے دوسری کی طرف انتقال روا ہے۔

ثانیاً بر سبیلِ تسلیم جواب دیا کہ اگر حدیث ثابت بھی ہو تو امر اپنے حقیقی معنی یعنی وجوب کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنی یعنی ارشاد کے معنی میں مستعمل ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر کو آواز ذرا بلند کرنے کا ارشاد فرمایا اور صیغہ امر "ارفع" استعمال کیا، جو وجوب کے معنی میں نہیں بلکہ ارشاد کے معنی میں ہے۔

سبحٰن اللہ! جو بات مُحقّق عَلَی الاِطلاق پر مخفی رہی، وہ امام اہل سنّت پر ظاہر

ہوگئی اسی طرح فقہائے متقدمین کی تحقیقات اپنی جگہ مسلّم مگر بمصداق: وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (1) (اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے) تحقیقاتِ امام احمد رضا نے دنیا کو یہ دکھادیا کہ علم ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

المختصر فقیہِ اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تحقیقات و تصانیف علمی اعجوبہ ہیں اور مُصنّف کی علمی فضیلت پر کھلی دلیل ہیں، یہی وجہ ہے کہ سُنّی ہو یا غیر، ہر ایک نے آپ کی علمی وجاہت کو تسلیم کیا بلکہ بڑے بڑے اَلقابات سے بھی نوازا۔

چنانچہ ہند کے ایک مشہور سُنّی عالم، حضرت علامہ سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں مارہروی، متوفی:1372ھ امام کی عظمت وشان کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلی حضرت کو میں ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں؛ کیونکہ جو جامعیت اعلی حضرت کے ہاں ہے، وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں۔ (2)

اور پاکستان کے ایک غیر سُنّی مولوی نظام الدّین احمد پوری کو امام احمد رضا کا ایک رسالہ: "الفضل الموهبی فی معنی إذا صح الحدیث فهو مذهبی" دکھایا گیا، پڑھنے کے بعد بھڑک کر کہنے لگے: یہ سب منازلِ فہم حدیث، مولانا کو حاصل تھے؟....افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا....علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر (محقق علی الاطلاق) مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔ (3)

---

(1)۔[سورۃ یوسف:12/76]

(2)۔امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، مقدمہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، ص:24، رضا دارالاشاعت، لاہور، پاکستان۔

(3)۔ أیضاً۔

اس مختصر گفتگو کی روشنی میں جہاں مصنف کی صلاحیّتِ اجتہاد و جلالتِ شان عیاں ہوتی ہے، وہیں کُتُب امام، مثلاً : "فتاوی رضویہ وجدّ الممتار"، کا مرتبہ و مقام بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ واللہ یختصّ بفضلہ من یشاء و ھو ذو الفضل العظیم. و الصّلاۃ و السّلام علی حبیبہ وعلی آلہ و صحبہ و علماء أمّتہ و فقہاء ملّتہ أجمعین.

از قلم: خادمِ علم و علما مہتاب احمد نعیمی

خادم الافتاء : جامعۃ النور: جمعیّت اشاعت اہلِ سنّت، پاکستان، کراچی

24 رجب المرجّب 1443ھ۔ 26 فروری 2022م

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

کی ایک دلکش کاوش

شانِ الوہیت و تقدیسِ رسالت کا امین

کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ، مشک و عنبر سے مہکا آہنگ

عشق و ادب کی حلاوتوں کا ماخذ

ترجمہ قرآن

کنز الایمان

از

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

اب پشتو زبان میں دستیاب ہے